

مورات

مصنفہ: ماہ نور زہرہ

ناولس کی دُنیا
Novels Ki Duniya

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔۔۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ اَحِبَاب۔۔۔۔۔

ناولز کی دنیا کے ناولز میں خوش آمدید۔۔۔۔۔

ناولز کی دنیا "ویب سائٹ / گروپ / پیج" دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپکی تحریر پوسٹ ہو جائے گی۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

(user name [@zoyatalib77](#))

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page:- [Zoya Talib](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو)

اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے

["novels ki duniya "](#)

اور

["website"](#)

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کر لیں۔۔۔

شکریہ۔۔۔۔۔

مورت

از قلم: ماہنور زہرہ

"باب 13: مٹی کا لباس"

قسط نمبر: 14

فارم ہاؤس پر دھوپ پڑ رہی تھی۔ چکور سا بانس کے بنے چھپر تلے جس سے سفید پردے لٹک رہے تھے، جنید اور غزالہ آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دھوپ چھپر کا سایہ سبزے پر بنا رہا تھا۔ مور ایک جانب بیٹھی ہوئی تھی، شاید دھوپ پڑ رہی تھی اس لیے۔ ہلکی ہوا کپڑے والے چھپر سے لٹکتے کپڑوں کو اڑا رہی تھی۔

"مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے یہاں آکر۔ بہت وقت بعد ہم یوں اکیلے وقت گزار رہے ہیں۔" جنید گلاس سے چھوٹے چھوٹے جوس کے گھونٹ بھر رہے تھے۔

"پلیز اپنے علاج پر توجہ دے۔ یوں ہاتھ پیر چھوڑ کر نہ بیٹھے۔ ہمیں یہاں آئے تین دن ہو گئے ہیں۔ ٹھیک ہے آپ بچوں کو نہیں بتانا چاہتے نہ بتائے لیکن ہم تو باہر علاج کے لیے جاسکتے ہیں نا۔" کئی دن کا دہرایا جملہ غزالہ نے پھر دہرایا تھا۔

جنید کے چہرے کا رنگ دن بہ دن زرد ہوتا جا رہا تھا۔ غزالہ کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اسے ایک پل بھی اکیلا نہ چھوڑے۔ اگر وہ اکیلے پائے جاتے تو چہرے پر تفکر کی لکیریں ہوتی۔۔۔ وہ خلاؤں میں گھورتے، نجانے ماضی سوچتے تھے یا مستقبل۔۔۔

"کیمو تھراپی ہو تو رہی ہے۔ مجھے یہاں گرینیری بہت اچھی لگ رہی ہے۔ موتیے کی پھولوں کی کتنی اچھی مہک ہے نا۔ اعصاب پر سکون ہو جاتے ہیں۔" جنید مسکرائے تھے۔ وہ یونہی بات بدل دیتے تھے اب۔

"آزان واپس نہیں آنا چاہتا تھا؟"

غزالہ نے نظروں کا رخ بدل کر مور کو دیکھا تھا، اس سوال کا جواب 'نہیں' تھا اور وہ کیسے یہ جواب من و عن جنید کو بتاتی۔ جنید سر جھٹک کر مسکرا دیے تھے۔

"ضدی ہے بہت۔"

"اپنے والد پر گیا ہے۔" غزالہ نے دو بدو کہا تھا۔

"بہر حال، ورلڈ ٹور کہاں سے شروع کرے؟"

"مدینے سے۔" غزالہ نے جھٹ سے کہا تھا۔

جنید کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی تھی۔ مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔

"میں نے سنا ہے کہ جب بلاوا آتا ہے تو ہی لوگ مکہ مدینہ جا پاتے ہیں۔ میں نے تو ساری زندگی وہاں جانے کی خواہش نہیں کی تو۔۔۔ میرا بلاوا آجائے گا؟" جنید نے توڑ توڑ کر بات مکمل کی تھی۔

"کیوں نہیں۔ آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں کہ اللہ آپ کو نہیں بلائے گا؟"

"میں جب لوگوں کو اللہ کا گھر دیکھنے کی خواہش میں مبتلا دیکھتا تھا، جانے کے لیے پیسہ جوڑتے دیکھتا تھا تب بھی میرے دل میں یہ خیال نہیں گزرا۔ اب میں وہاں جاؤ اس غرض سے کہ۔۔۔" وہ خاموش ہو گئے۔

"بے شک وہاں سے لوگ شفا یاب لوٹتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کعبہ پر جب پہلی نظر پڑتی ہے تو انسان پلک جھپکنا بھول جاتا ہے۔ پہلی نظر میں جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہو جاتی ہے۔ اللہ نے ہمیں بنایا ہے، وہ ہم سے بہت پیار کرتا ہے پھر ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری دعا نہ سنے۔"

جنید سر جھکائے خاموشی سے اپنی بیوی کو سنتے رہے۔ شفا یاب کون نہیں ہونا چاہتا۔۔۔ کون موت چاہتا ہے۔ اگر وہ شفا یاب ہو گئے تو جیسے ساری زندگی اللہ کو بھولے ہوئے تھے کیا ویسے ہی اسے دوبارہ بھول جائیں گے؟ غرض پوری تو اسے دوبارہ یاد نہیں کیا جائے گا؟

☆☆☆☆☆☆

دھوپ روشن دان سے بج کے چبوترے پر پڑ رہی تھی۔ آزان غائب دماغی کے ساتھ دفاعی وکیل کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنے طرف سے سوالات پوچھ آیا تھا۔ استغاثہ کا وکیل کچھ کہہ رہا تھا۔۔۔ آزان کا اسسٹنٹ اہم نکات نوٹ کر رہا تھا۔ کوئی خاتون وٹنس باکس میں گھبرائی سی کھڑی تھی۔

آزان نے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی ہونٹوں پر رکھی ہوئی تھی۔ اس خاتون کا چہرہ بی بی کے چہرے کے ساتھ گڈ مڈ ہونے لگا اور اس میں اتنی مشابہت اتر آئی کہ کورٹ روم فاطمہ کے گھر کا لاؤنج بن گیا۔ دھوپ سینٹر ٹیبل پر پڑنے لگی اور آزان اور فاطمہ ایک دوسرے کے قریب مگر الگ صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

بیٹی کی ماں کے لیے اپنے ہی منہ سے کہنا، جھولی پھیلانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ فاطمہ نے اپنی چادر پر خود ہی پاؤں رکھ دیا تھا۔ فاطمہ اب سر جھکائے دامن پر لگے موتیوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ وہ شرمندہ تھی۔۔۔ بے حد شرمندہ۔

آزان حیران تھا، ششدر تھا۔

چائے پر پتلی سی دھار بن گئی تھی۔

آزان نے شرٹ کے اوپر کے دو بٹن کھول لیے تھے۔ جس نہیں تھا اسے جس محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے گردن پر پسینہ اتر آیا تھا۔

"مجھے زرا سا وقت دے۔"

فاطمہ نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

"وہ۔۔۔" فاطمہ نے ہونٹ آپس میں مسلے تھے، "میں نے شاید جذبات میں آکر اتنی بڑی بات کہہ دی۔ میں تم پر وانیہ کو مسلط نہیں کرنا چاہتی۔ تمہاری بھی ایک آئیڈیل لڑکی ہوگی۔ میں نہیں چاہتی کہ میرا مان رکھنے کی خاطر تم ہاں کہہ دو اور پھر تمہاری زندگی میں سکون نہ ہو۔ تم رشتہ نباہ تو لو مگر اس میں محبت نہ ہو۔ نہ تم پُر سکون رہ سکو گے اور نہ ہی وانیہ۔" انہیں اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

کاش وہ اپنے الفاظ واپس لے سکتی۔۔۔ کاش وہ لمحہ موڑ کر واپس لے آتی۔۔۔ کاش۔

ان کا دل ٹوٹا ہوا تھا۔ انہیں آزان سے بہتر کوئی لگا ہی نہیں جو شاہ تاج کے خلاف وانیہ کے ساتھ کھڑا ہو سکتا۔ مگر انہوں نے تو ہلکی بات کہہ دی تھی۔ اگر اظہر صاحب کو پتا لگ گیا کہ یہاں تو ماں نے خود رشتہ مانگ لیا ہے تو وہ کیا کہیں گے؟ انہوں نے ہونٹوں کو جیسے چبا ڈالا تھا۔

"بی بی میں سوچ کر بتاؤنگ۔" آزان انہیں ریلیکس کرنے کے لیے مسکرا دیا تھا۔

"نہیں بس منہ سے پریشانی میں نکل گئی بات۔ اظہر صاحب بہت برا منائیں گے اگر انہیں پتا لگ گیا تو۔۔۔" ان کا سر اب شرم سے اٹھ ہی نہیں رہا تھا۔

"انہیں بتائے گا کون؟" آزان ایک بار پھر مسکرا دیا تھا۔

منظر غائب ہوتا گیا۔ حج اگلی پیشی کی تاریخ دے رہے تھے۔ ان کے اٹھنے پر سب تعظیماً اٹھے تھے۔

آزان ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا کورٹ روم سے نکل چکا تھا۔ راہداری سے بھانت بھانت کی آوازوں میں ایک آواز زیشان کی بھی شامل تھی۔ وہ آزان کی رفتار کا مقابلہ کرتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

کوٹ گاڑی کی پچھلی نشست پر پھینکتے ہوئے خود وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ سیٹ بیلٹ کھینچ کر باندھے لگا تھا کہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھے زیشان کو دیکھ کر آزان کے ابرو تن گئے۔ زیشان چہرے پر مسکراہٹ سجائے آنکھیں پٹپٹاتا معصوم بننے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

"اتنا ہونٹ پھیلا کر مسکراؤ گے تو مسکراہٹ سے نفرت ہو جائے گی۔" آزان کے چہرے کے تاثرات ابھی سخت تھے مگر اسے اترنے کا عندیہ فی الحال نہیں دیا تھا۔

"آپ یونہی رحم دلی دکھائے گے تو دیکھیے گا آپ اٹارنی جنرل لگے گے ایک دن۔"

گاڑی کے انجن سے آواز نکلی تھی اور آزان نے فوراً گاڑی ریورس کی تھی۔

گاڑی جی نائن مرکز کی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ آزان اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھے از حد سنجیدہ تھا، اسی لیے زیشان اب تک خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

"ایک بات بتاؤ، اسسٹنٹ۔"

"جی۔"

"ویسے تم پر زیادہ اعتبار تو نہیں ہے پھر بھی چلو پوچھنے پر کونسے پیسے لگتے ہیں۔"

"بے عزت کر لیتے یا پوچھ لیتے، ڈائریکٹ۔" زیشان منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا۔

"اگر تمہیں کسی لڑکی کی ماں خود ہی اپنی بیٹی کا رشتہ پیش کر دے تو تم کر لو گے شادی؟"

زیشان نے چہرہ موڑ کر آزان کو دیکھا تھا، "صورتحال کیا ہے اس پر ڈیپینڈ کرتا ہے۔ اگر مجھے لڑکی پسند ہوگی تو بالکل ہاں کرونگا۔ ویسے آپ کو بتاتا چلوں کہ میں منگنی شدہ ہوں۔" زیشان ہلکا سا شرمایا تھا۔

"اچھا۔ لڑکی پسند بھی نہیں لیکن ناپسند بھی نہیں ہے۔ یعنی کہ کوئی فیلنگز اٹیچڈ نہیں ہیں، پھر۔۔۔؟"

زیشان تھوڑی پر انگلی رکھے کچھ دیر سوچتا رہا۔

"کیا پتا اس لڑکی کو میں پسند ہوں اسی لیے اس کی ماں نے بات کر لی ہو! خیر بڑا کم ایسے ہوتا ہے کہ لڑکی کی ماں خود رشتے کی بات کرے۔ ہمارے معاشرے میں لڑکی کی ماں خود اپنی بیٹی کا رشتہ پیش کرے اسے اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ پتا نہیں بیچاری کی کیا مجبوری ہوگی کہ وہ خود ایسی بات کرے۔"

آزان نے گاڑی میٹرو اسٹیشن کے قریب روکی تھی۔ زیشان پریشان سا ہو کر کبھی آزان کو دیکھتا تو کبھی میٹرو اسٹیشن کا بورڈ پڑھتا۔

"شاباش اترو۔ بسوں کے دھکے کھانے چاہیے، اعتماد بڑھتا ہے یوں۔ سنا ہے ان بسز کا سفر آرام دہ ہوتا ہے۔ کل رپورٹ لونگا۔ اترو۔"

آزان حق حق بیٹھے زیشان کو دیکھ رہا تھا جو اب مرے مرے ہاتھوں سے دروازہ کھول رہا تھا۔ اس کے اتر جانے کے فوراً بعد آزان ماں کو کال ملتا، آلہ کان میں لگا چکا تھا۔

"ممی آپ کہاں ہیں؟ میں آپ کو پک کرنے آرہا ہوں۔"

گاڑی اب آہستہ سے آگے بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

آزان گرے رنگ کی فل سیلوز ٹی شرٹ کی آستین موڑے کچن میں کھڑا تھا۔ پین کو اٹھا کر اس نے جھٹکا دیا تھا، سبزیاں اچھل کر دوباری گری تھی۔ ایک طرف آگ کا شعلہ بھی جلا تھا۔

"خیال سے۔" غزالہ نے فوراً بیٹے کو ٹوکا۔

وہ کاؤنٹر کے دوسری طرف اونچی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

آزان سر ہلا کر مسکرا دیا تھا اور سبزیاں پلیٹ میں رکھے اسٹیک کے گرد پھیلا نے لگا۔

"پاپا یاد کر رہے تھے تمہیں۔"

آزان نے چولہا بند کیا اور پلیٹ ماں کی طرف کھسکائی۔ غزالہ بغور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگی مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔ نہ غصہ، نہ غم، نہ ہی نرمی۔

"صرف کالی مرچ اور سرکہ لگایا ہے چکن کو۔ پیسٹریز بھی بنائی ہیں، بلیک فوریسٹ فلیور۔" وہ فریج کی طرف بڑھا تھا، "آپ کے لیے خاص طور پر پائن اپل اوپر رکھا ہے۔" وہ فریج سے پیٹ لیے کاؤنٹر کی طرف مڑا تھا۔

"بی بی کے ریسیپی کے مطابق۔" اسٹول پر بیٹھتے ہوئے اس نے ابرو اچکا یا تھا۔

غزالہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کتنا بدل گیا تھا۔۔۔ وہ سخت دل ہو گیا تھا یا پہلے سے تھا۔

"آپ چکھے نا اسٹیک۔"

غزالہ سر ہلاتے ہوئے اسٹیک کو کانٹے میں پھنسانے لگی۔

آزان آنکھیں بند کیے چکن کا ٹکڑا چبا رہا تھا جیسے اسٹیک بہت لذیذ تھا۔ اسے کھاتے ہوئے لطف آرہا تھا۔

"بہت اچھا بنا ہے۔" غزالہ لقمہ چباتے ہوئے آزان کو دیکھنے لگی۔

اتنی عجلت میں وہ اسے لینے آیا تھا، کیوں۔۔۔ کوئی اہم بات لگ رہی تھی مگر وہ خاموش تھا۔ شاید اسے ماں کی یاد آرہی ہوگی۔ غزالہ نے خود کو تسلی دی تھی۔

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

غزالہ کا ہاتھ تھما تھا۔ انہوں نے آہستہ سے آنکھیں اٹھا کر آزان کو دیکھا تھا۔ وہ نارمل لگ رہا تھا۔ کین منہ سے لگائے وہ گھونٹ بھر رہا تھا۔

"کوئی لڑکی پسند کر لی ہے۔" غزالہ سہی سے مسکرا بھی نہ سکی۔ اس نے کہا ہی اچانک تھا نہ کوئی تمہید، نا جھجک۔

"جی۔۔۔ اچھی لڑکی ہے۔ آپ کو بھی پسند آئے گی۔"

"کون؟"

"وانیہ۔" کانٹا منہ میں رکھتے ہوئے اس نے ماں کو دیکھا تھا جن کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا، جیسے سر پر سے بھاری ٹرک گزر گیا ہو۔

"وہ کیوں؟"

"وہ کیوں نہیں؟ آپ کو پسند نہیں ہے؟ میرا مطلب ہے کہ آپ کی رائے اہمیت رکھتی ہے میرے لیے۔" آزان بائیں کہنی کاؤنٹر پر رکھ کر آگے ہوا تھا۔

"بھابھی ناراض ہو جائیں گی۔ تم جانتے تو ہو ان کے اور فاطمہ کے درمیان قطع تعلقی ہو چکی ہے۔ ایسے میں ہم وانیہ کا رشتہ مانگے یہ تو خانہ جنگی ہوئی۔"

"ایک تو میں بچپن سے دیکھتا آیا ہوں کہ آپ، پاپا، عفان بھائی انہیں اہمیت دیتے ہیں۔ عقل کل سمجھتے ہیں، ان کے مشورے کو ہی بہتر بلکہ بہترین سمجھتے ہیں۔ اپنی نہیں بلکہ ان کی سوچ سے دنیا اور بزنس کو دیکھتے رہے، کیوں؟ مجھے ان کی پرواہ نہیں ہے۔ بی بی ان کی بہن ہیں مگر وہ الگ ہیں ان سے اور آپ جانتی ہیں۔ ہم ان کو فالو نہیں کریں گے مئی۔ ان کی مرضی وہ جس سے تعلق توڑے یا جوڑے۔"

"تمہیں وہی کیوں اچھی لگی؟ کیا اس کی طرف سے بھی۔۔۔" غزالہ نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"نہیں مئی۔ ہم نے آج تک ایک دوسرے سے نہ فون پر بات کی، نہ ٹیکسٹس پر اور ہی نہ ڈیٹ پر گئے۔ وہ مجھے اچھی لگی۔ مجھے اس سے محبت نہیں ہے۔ اچھی لگی ہے تو شادی کے بعد محبت بھی ہو جائے گی۔ وہ سمپل لڑکی ہے۔ بس بی بی جیسی خاتون ہیں مجھے یقین ہے کہ وانیہ بھی ویسی ہی ہوگی۔ انہوں

نے تربیت کی ہے وانیہ کی اور اس لیے میں نے اس کا نام لیا ہے۔ کیا وہ اچھی نہیں ہے، مُمی؟" آزان گاجر کانٹے میں پھنسانے لگا۔

وہ نہایت پر سکون لگ رہا تھا، ماں کو گھیر رہا تھا کہ وہ انکار کا کوئی جواز بھی نہیں پیش کر پارہی تھی۔

"وہ خوبصورت بچی ہے۔ فاطمہ بھی سلجھی ہوئی خاتون ہے۔ بس میں شاہ تاج کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔ کل کو تمہاری شادی ہوگی اور وہ شرکت نہیں کریگی تو لوگ کتنی باتیں بنائے گے۔ سب سے پہلے انہیں پتا لگا تو وہ برا منائیں گی۔ مجھے یقین ہے وہ مجھے یہ رشتہ کرنے سے روکے گی۔"

"اور آپ نہیں رکے گی۔ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ وہ اپنے حمدان پر پورا اختیار رکھتی ہیں اور آپ مجھ پر اختیار رکھتی ہیں۔"

غزالہ پہلی دفعہ مسکرائی تھی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر بیٹے کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ کتنا چھا لگا تھا انہیں، آزان نے انہیں اپنے بارے میں اختیار دے رکھا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے لیے اسٹینڈ لینا جانتی تھی۔

"تمہارے پاپا سے بات کرو گی میں۔ مجھے یقین ہے وہ بھی جانا چاہے گے وانیہ کا رشتہ مانگنے، ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل۔ جانا چاہیے۔" آزان نے کوک ہونٹوں سے لگایا تھا۔

غزالہ کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ یہ انہوں نے کیا سنا، کتنی آسانی سے آزان نے کہہ دیا تھا کہ پاپا بھی چلے جائے۔ ابھی کچھ دیر پہلے تو وہ ان کے ذکر کو بھی اوائڈ کر رہا تھا۔

"مجھے بڑی خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ اسی ہفتے چلتے ہیں۔ میں کل فاطمہ کو کال کرتی ہوں، ٹھیک ہے نا۔"

انہوں نے ہاتھ پر جوش انداز میں مسلے تھے۔ آزان نے مسکرا کر سر ہلایا تھا۔

تیز ہوا آزان کے اپارٹمنٹ کی کھڑکیوں پر لگے پردوں کو ہلاتی بھاگتے ہوئے سفید ستونوں والے قصر میں داخل ہوئی تھی۔ قصر میں زرد روشنیاں جل رہی تھیں اور سب اپنے کمروں میں محو استراحت تھے۔ نور کے کمرے کی ڈریسنگ روم کی بتی جل رہی تھی۔ گونگی اور نور قالین پر بیٹھے لڈو کھیل رہے تھے۔ گونگی جیت رہی تھی اور نور ہار رہی تھی۔ گونگی اب بہتر تھی اور شاہ تاج کے جانے کے بعد تو اور بھی آزاد ہو گئی تھی۔ نور نے ہاتھ پھیر کر تمام گوٹیاں گرا دی اور منہ پھولا کر گونگی کو دیکھنے لگی۔

گونگی ہنس دی تھی۔

وہ ایک ایک کر کے تمام گوٹیاں باکس میں ڈالنے لگی۔ نور اب تک منہ بنائے اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

گونگی نے رک کر اسکا ناراض چہرہ دیکھا تھا اور ہاتھوں سے اشارہ کرنے لگی (تم ایک اور گیم کھیلنا چاہو گی؟ ایسا گیم جس میں نہ تم ہارو نہ ہی میں۔)"

"کونسا گیم؟" نور پر جوش نظر آنے لگی تھی۔

گونگی ایک بار پھر ہاتھوں سے اشارے کرنے لگی۔ (وہ گیم چوہے اور بلی کی طرح ہو گا۔ مگر چوہا جلد نہیں پکڑا جائے گا، بلی اسے تھکا تھکا کر پکڑے گی اور اس گیم کا ایک سخت رول ہے۔)

نور ابرو آپس میں ملائے غور سے گونگی کو دیکھ رہی تھی۔

(یہ بات راز رہے گی۔ جس دن کسی تیسرے کو اس گیم کا پتا لگا اس دن یہ گیم ختم ہو جائے گی اور اسے سزا بھی ملے گی۔)

نور سمجھتے ہوئے سر ہلانے لگی اور گونگی کو غور سے دیکھتے ہوئے گیم کو سمجھنے لگی جو یقیناً کسی کے لیے فائدہ مند نہیں ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

پرائم نیوز میں صبح سے ہی نورین عبدالعلی بنام مغیث بلوچ کیس کے فیصلے کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ ہل چل سی تھی۔ کیس کا فیصلہ دس بجے آنا تھا، پھر تاخیر کا شکار ہوتے، وقت بارہ بجے کا ہو گیا تھا۔ مغیث نے ہر طرح کے ہتھکنڈوں سے اس کیس کو طوالت کا شکار کرنے کی کوشش کی لیکن میڈیا پر بات اچھل چکی تھی۔ کیس ہو گیا لیکن استغاثہ کے گواہان کم تھے اور جو تھے وہ پیچھے ہٹ گئے تھے۔ کیس کمزور ہو گیا تھا مگر موہوم سی امید اب بھی باقی تھی۔

منتہا نیوز روم میں ایک کونے میں بیٹھی دایاں پاؤں مسلسل ہلا رہی تھی۔ نیوز روم میں خاموشی ہی رہتی ہے کیونکہ وہاں اینکر نیوز پڑھتی ہے پر آج کچھ زیادہ ہی خاموشی کا احساس ہو رہا تھا۔

یشیفین کنٹرول روم میں بیٹھی زومبی چوس چوس کر خود کو نارمل کر رہی تھی۔ فارض آڈیشن کے لیے آئی ہوئی لڑکی کو ہیڈ پروڈیوسر کے پاس بٹھائے خود بھی اضطراب کا شکار تھا۔

ضرار مختلف نیوز اینکرز کے ساتھ بیٹھا مختلف خبروں پر اظہارِ رائے پیش کر رہا تھا۔

بالآخر وہ وقت بھی آیا جب فیصلہ آچکا تھا۔ پرومپٹر (جس سے نیوز اینکر خبر پڑھتی ہے) پر خبر لکھی ہوئی آچکی تھی۔ نیوز کاسٹر کے کان میں آواز و گونج چکی تھی، کیمرہ آن ہو چکا تھا اور وہ خبر سنانے کے لیے تیار تھی۔

منتہا میز پر دونوں کہنیاں رکھے کرسی پر آگے کھسک چکی تھی اور اب نیوز کاسٹر کے پڑھنے کا انتظار تھا۔

"آپ کو بتاتے چلے کہ عبدالعلی قتل کیس کا فیصلہ آچکا ہے۔ مغیث بلوچ کو عدم گواہان اور ثبوت کی وجہ سے بری الذمہ قرار دیا گیا ہے۔ آپ کو ایک بار پھر بتاتے چلے کہ۔۔۔"

منتہا پھٹی پھٹی نظروں سے نیوز کاسٹر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔ اگر اس کی اتنی حالت غیر ہو رہی ہے تو نورین کی کیا حالت ہوگی جس کا پورا خاندان اس رات جلا تھا۔ اس کی اکلوتی اولاد جل کر مری تھی۔ جل کر مرنے کی تکلیف تو صرف مرنے والا ہی بیان کر سکتا ہے۔

جلتے گوشت کی بو آج پھر منتہا کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ بھڑکتی آگ جہنم کی منظر کشی کر رہی تھی۔

اس کا نورین کے لیے بھاگ دوڑ کرنا، نورین کا گر کر سنبھلنا سب یاد آرہا تھا۔

وہ جو چار دن اس نے بھوک پیاس میں، اندھیرے میں، موت کے خوف سے موت کے کنویں میں گزارے تھے۔ وہ سب ایک بار پھر زندہ ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگا تھا۔ ایک طرف بھڑکتی آگ کا منظر تھا اور دوسری طرف اندھیرا، بدبو۔

"منتہا۔" کوئی اسے پکار رہا تھا اور وہ جس اور بدبو میں کھڑی آگ کے شعلوں پر بالٹیاں بھر بھر کر ڈالنے والے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔

"منتہا۔"

اسے اندھیرے میں ایک بار پھر اپنا نام سنائی دیا تھا جب بھوک کی شدت سے نڈھال وہ ادھ موئی ہو چکی تھی۔ ہونٹ آپس میں چپک سے گئے تھے اور اس کا ذہن سست ہو رہا تھا، سب کچھ گڈ مڈ ہو رہا تھا۔

"منتہا۔" کسی نے اس کا کندھا جھنجھوڑا تھا۔ منتہا نے چونک کر دائیں طرف دیکھا تھا جہاں ضرار بیٹھا اسے تشویش سے دیکھ رہا تھا۔

نہ یہاں بدبو تھی نہ ہی اندھیرا۔

ضرار منتہا کو کہنی سے پکڑ کر اٹھا رہا تھا۔ منتہا بے جان قدموں کے ساتھ اٹھی تھی اور خاموشی سے کیمرے کے پیچھے سے نکلتی ضرار کی تقلید میں باہر نکلی تھی۔ ضرار نے بدستور اس کی کہنی تھام رکھی تھی اور ہر تھوڑی دیر بعد مڑ کر اسکا سفید لٹھے جیسا چہرہ دیکھتا تھا۔ وہ اسے میک اپ روم میں لے آیا تھا۔

اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے ضرار نے میز پر پڑے جگ سے گلاس میں پانی بھرنا شروع کیا۔
منتہا گود میں ہاتھ رکھے گلاس کو بھرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے۔
"یہ لو پانی پیو۔" ضرار نے گلاس اسکی طرف بڑھایا تھا۔

"نورین کا کیا حال ہوگا؟" منتہا نے ہراساں نظروں سے ضرار کو دیکھا تھا۔

ضرار گلاس میز پر رکھتے ہوئے، پینٹس رانوں سے اوپر کھینچتے ہوئے منتہا کے برابر بیٹھا تھا۔
"پانی پی لو۔" اس نے پھر اصرار کیا تھا۔

"آپ نے فیصلہ سنا۔ کتنا غلط فیصلہ تھا نا۔" اس نے ضرار کی تائید چاہی تھی۔ وہ اب تک شک میں تھی۔

ضرار نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"غلط فیصلہ تھا نا؟"

"سب جانتے ہیں کہ غلط فیصلہ تھا۔" ضرار نے نرمی سے کہا تھا۔

"پھر کورٹ کی طرف سے ایسا فیصلہ کیوں آیا؟"

"کورٹ ثبوتوں اور گواہان کی بنیاد پر فیصلہ دیتی ہے نا کہ جذبات کی بنیاد پر۔"

"میں بھی تو گواہ نہیں بن سکی مجھے تو ان فٹ قرار دیا گیا۔" منتہا نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ اس نے خود کلامی کی تھی جیسی۔

"تمہارے گواہ بننے کا فائدہ نہیں تھا۔"

"کیوں نہیں تھا؟" وہ پھر گئی تھی۔

"تم نے جس خاکی کا نام سنا تھا اسے وہ لوگ قتل کر چکے تھے۔ کون اسے ڈھونڈتا اور کون پیش کرتا۔" ضرار بدستور نرمی سے بات کر رہا تھا۔

منتہا چونکی تھی۔

"آپ کو کیسے پتا لگا؟" منتہا نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

"میں۔۔۔" ضرار گڑبڑا گیا تھا، "لگ گیا تھا پتا۔" اس نے آہستہ سے کہا تھا۔

"اگر آپ کو اتنا پتا تھا کہ وہ مر گیا ہے تو آپ خاکی کے بارے میں جانتے ہونگے۔ اسے ڈھونڈ بھی سکتے تھے نا؟"

"میں اسے نہیں جانتا نہ ہی کبھی دیکھا۔ اس کا نام سنا تھا پہلے تم سے اور پھر رحمان کے منہ سے بس۔ منتہا، مغیث پیسے والا شخص ہے۔ رحمان اس کا رشتہ دار اور سیاست دان ہے۔ اس کے اثر رسوخ زیادہ ہیں۔ آج تک اس فائل کا پتا نہ چل سکا جو نورین کے والد نے تیار کی تھی۔ یقیناً وہ فائل اہمیت کا حامل ہو گا تب ہی مغیث نے اتنا بہیمانہ قتل پلان کیا۔ یہ Obvious سی بات تھی کہ اس کیس کا یہی فیصلہ نکلنا تھا۔ کوئی ثبوت نہیں چھوڑا مغیث نے کہ اسی نے آگ لگائی تھی۔"

منتہا نے سیدھے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ ڈالی تھی۔ وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"مجھے گواہی دینی چاہیے تھی۔ مجھے دکھ نہ ہوتا آج کہ ہم ہار گئے۔ میرا بھی کچھ حصہ ہوتا اسکی جنگ میں۔" اس نے پھر سے خود کلامی کی تھی۔

"منتہا یہ کوئی پہلا قتل کیس نہیں ہے۔"

"یہ میری زندگی کا پہلا قتل کیس ہے جن کے جلتے جسموں کی بو آج تک مجھ سے نہیں بھولی۔ میں نے اتنی خوفناک آگ آج تک نہیں دیکھی، ضرار۔ یہ بہیمانہ قتل میری زندگی میں پہلی دفعہ ہوا ہے جو میں نے دیکھا۔ اس دس سال کے بچے کی ماں کا کیا حال ہوگا؟" منتہا نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا تھا۔

"ہم اس شخص سے نمٹیں گے مگر اپنے طریقے سے۔" ضرار نے منتہا کی جھکی ہوئی گردن دیکھی تھی۔

وہ واقعی تکلیف میں مبتلا تھی، گلٹ میں مبتلا تھی۔ ضرار کا دل چاہا کہ اسے سب بتا دے مگر وہ مصلحتاً خاموش رہا۔

"کیسے نمٹے گے؟ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اس نے ہمیں اغوا کیا، ہمیں جس بے جا میں رکھا۔ بھوکا پیاسا رکھا اور آپ تب بھی خاموش رہے۔ اس کے خلاف خاموش رہے۔ آپ ڈرتے ہیں، واقعی؟ کوئی زرا سا بھی طاقت ور ہو تو آپ ڈر جاتے ہیں؟ مجھے یقین نہیں آرہا کہ میں ایک بزدل شخص کے ساتھ بیٹھی ہوں۔" منتہا نے نفرت سے چہرہ پھیر لیا تھا۔

"اپنے الفاظ پر غور کرو، منتہا۔" ضرار نے ضبط سے مٹھیاں بھیجنے لیں تھیں۔ اس کے سخت الفاظ نے ضرار کا دل چیرا تھا۔ کتنا آسان ہوتا ہے دوسرے کو بزدل کہہ دینا۔

منتہا انگلیاں باہم پھنسائے پانی کے گلاس کو دیکھنے لگی جو اس قدر بھرا ہوا تھا کہ ہلکا سا ٹچ کرنے پر چھلک پڑتا۔

"کبھی کبھی انصاف جھولی میں نہیں گرتا اسے حاصل کرنا پڑتا ہے۔ سیدھے نہیں تو ٹیڑھے راستوں سے۔۔۔ ابھی ثبوت کم ہے مگر اگلی دفعہ ثبوت اتنے اہم اور خطرناک ہونگے کہ وہ پیسہ بھی خرچ کرتا رہ جائے تو نکل نہیں پائے گا۔ نورین اس کا انجام دیکھے گی۔"

منتہا نے استہزائیہ سر جھٹکا تھا۔

میک اپ روم کا دروازہ کھلا تھا اور فارض کا سانس پھولا ہوا تھا۔

منتہا اور ضرار نے ایک ساتھ سر موڑا تھا۔

"مجھے نورین کے پاس لے جاؤ۔" منتہا قمیض کی شکنیں درست کرتی اٹھی تھی۔

ضرار نے گردن موڑ کر منتہا کو دیکھا تھا جو اسے انکوریہ کے آگے سے گزری تھی۔

ضرار کی کنپٹی کی رگیں سلگنے لگی۔

(جس دن تم شرمندہ ہوگی اس دن اپنے الفاظ کا کفارہ کیسے ادا کروگی، منتہا؟)

ضرار نے دانت پر دانت جمائے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

لاؤنج کے شیشے کے بنے دروازے کو گونگی واپس سے صاف کر رہی تھی۔ وہ گاہے بگاہے ڈاننگ ہال پر بھی نظر ڈالتی جو لائونج کی کھڑکی سے صاف نظر آتا تھا۔ عفان، خنسا، جنید اور غزالہ سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ لگ رہا تھا کہ ناشتہ اچھے ماحول میں کھایا جا رہا ہے، مگر اب ناشتہ ختم ہو چکا تھا پھر بھی ان سب کا یوں بیٹھے رہنا گونگی کے لیے تشویش کا باعث تھا۔

"یہ کپڑے کسی غریب کو دے دینا۔" حمدان نے اپنا تھری پیس سوٹ گونگی کے قدموں میں پھینکا تھا۔ گونگی فوراً سے پیچھے بدکی تھی۔

حمدان اپنے سنہرے بالوں میں ہاتھ پھیرتا بیرونی دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ یہ تھری پیس سوٹ نیا نکور تھا، کل ہی تو اس کے لیے عفان دے کر گیا تھا۔ گونگی ہونٹوں پر انگلی رکھے جھکی تھی۔

(امیر لوگوں کے نخرے) گونگی نے سر جھٹکا تھا۔

رزاق بلڈنگ کے سب سے اوپر فلور پر بنے آفس میں حمدان کوٹ اسٹینڈ پر لٹکاتا کھڑکیوں کی طرف آیا تھا اور بلاسٹڈز ہٹائے تھے۔ بلاسٹڈز آہستہ سے اوپر سر کے تھے، دھوپ تیزی سے اندر آئی تھی۔ حمدان کی آنکھیں اتنی زیادہ روشنی پر چندھیا گئی تھیں۔ اندھیرہ روشنی میں بدل گیا تھا۔

حمدان پینٹس کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑکی سے نظر آتے پہاڑیوں کو دیکھنے لگا۔ وہ چڑچڑا اور بیزار ہوتا جا رہا تھا۔ وہ یا آفس ہوتا یا کلب جاتا۔ اسے کوئی پرواہ نہیں تھی کہ اس کی ماں کو برطانیہ گئے کتنا

وقت ہو گیا ہے، کتنی دفعہ انہوں نے کال کی تھی مگر اس نے اٹھانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اس کی زندگی میں بوریت بڑھتی جا رہی تھی، خالی پن کا احساس جڑ پکڑ رہا تھا۔

گہرا سانس لیتے ہوئے حمدان نے جیب سے ہاتھ نکالا تھا کہ مڑی ہوئی پرچی فرش پر گری تھی۔ حمدان آنکھیں چھوٹی کیے فرش پر پڑی پرچی کو غور سے دیکھنے لگا۔ سر جھٹکتا وہ جھکا تھا اور پرچی کھولتے ہوئے سیدھا ہوا تھا۔ پرچی ایک پرنٹڈ کاغذ تھا۔

"Mirror, mirror on the wall, W is not your father after all"

حمدان کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ پرچی مروڑتے ہوئے اس نے ڈسٹ بن کی طرف اچھالی تھی۔

کرسی پر بیٹھتے ہوئے حمدان نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی تھی۔ میز کے دائیں طرف رکھے فائل کو اٹھاتے ہوئے وہ ٹھٹھکا تھا۔

"یہ کس کی شرارت تھی؟ کون اسکے کمرے میں گھس سکتا ہے اور یوں جیب میں پرچی رکھ سکتا ہے؟ کون میرا باپ نہیں ہے؟" بہت سارے سوال ایک دوسرے سے ٹکراتے، اسکے دماغ میں جگہ بنا رہے تھے۔ وہ لب بھیجتا کھڑا ہوا تھا اور ڈسٹ بن کی طرف بڑھا تھا۔

مڑا ہوا کاغذ نکال کر اس نے کھولا تھا۔ ہاتھ کی لکھائی ہوتی تو اس لکھنے والے کو ڈھونڈ ہی لیتا لیکن ٹائمر رومن میں لکھے الفاظ والے کو کیسے ڈھونڈے۔

اس نے ان الفاظ کو ایک بار، دو بار، سہ بار، نجانے کتنی بار پڑھا۔۔۔



نورین کے گھر میں تو جیسے ایک بار پھر موت ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں خشک ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی، جیسے آج ایک بار پھر اس کی گودا جڑی تھی۔ ایک بار پھر وہ یتیم ہوئی تھی۔ کورٹ کے باہر میڈیا والوں کے نرغے میں وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔ وہ بدعا دینے کے علاوہ اب کر بھی کیا سکتی تھی۔

منتہا، فارض اور یشفین نورین کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا شوہر کھڑکی کے پاس پشت کیے کھڑا تھا۔

"ہم ری ٹرائل کر سکتے ہیں۔ ہم اس فیصلے سے مطمئن نہیں ہیں۔" یشفین نے نورین اور منتہا کو دیکھتے ہوئے جیسے حل پیش کیا تھا۔

"اس کا بھی کیا رزلٹ نکلے گا۔ آیا تھا مغیث ڈیل کرنے لیکن میں نہیں مانی۔ وہ دھمکا کر بھی گیا تھا مگر میں پیچھے نہیں ہٹی۔ میں منتہا کے ساتھ اس مسجد میں گئی جس کے امام صاحب نے میرے بابا پر غلط الزام لگایا تھا لیکن وہ نہیں مانے۔ میں نے ہر ایک کی منت کی کہ میرا ساتھ دے۔ بابا پر جھوٹا الزام لگا تھا وہ مسلمان تھے اور اگر نہ بھی ہوتے، غیر مسلم ہوتے تو کوئی یوں انہیں بدترین موت دے گا؟ کیا ہمیں دین اسلام عدم برداشت ہونا سیکھاتا ہے؟ یہ کہاں کا قانون ہے؟" وہ ہچکیوں سے رو پڑی تھی۔

"مجھے یقین تھا کہ انصاف ملے گا مگر مجھے انصاف نہیں ملا کیونکہ میرے پاس پیسہ نہیں تھا اور اس نے پیسوں سے سب کو خرید رکھا تھا۔ اس امام صاحب نے اور اس کی تقلید کرنے والوں نے بیان دیا کہ

وہ مرتد تھا۔ نعوذ باللہ ہمارے آخری نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی۔ وہ لڑے ضرور تھے مگر آگ حادثاتی لگی تھی۔ کیا ثبوت ہے ان کے پاس کہ میرے بابا نے گستاخی کی تھی؟ ہم بس بغیر ثبوت کے دوسروں پر حملہ کر دیں گے نا عورت کو دیکھے گے نا ہی بچے کو اور فوراً سے مسلمان ہو جائے گے۔ نماز وقت پر نہیں پڑھے گے، جھوٹ بولے گے، زیادتی کریں گے، کنڈا ڈال کر بجلی چوری کریں گے تب یاد نہیں آئے گا کہ ہم مسلمان ہے۔ بس بھنک پڑی چاہے غلط ہو کہ اس نے گستاخی کی ہے اور ڈنڈا لے کر چل پڑیں گے۔ کمالی جنت اس امام صاحب اور اس کے فالورز نے؟ مجھے میرے دس سال کے بچے کے خون کا حساب کون دیگا؟" انہوں نے سینہ مسلاتھا، جیسے ان کے سینے میں درد ہو۔

منتہا فوراً سے اٹھی تھی اور پانی کا گلاس میز سے اٹھا کر ان کے لبوں سے لگایا تھا۔

یشفین اور فارض سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی کچھ دکھ صرف سن لینے چاہیے، صبر کی تلقین کرنے سے بھی صبر نہیں آتا۔

"میرا بچہ کیسے تڑپ کر مرا ہوگا۔" انہوں نے سینہ پیٹنا شروع کیا۔

کرب ان کے چہرے سے عیاں تھا۔ لوگ میت کو بھول جاتے ہیں مگر ماں اپنی اولاد کا غم کبھی نہیں بھولتی۔ وہ آج بھی اسی رات میں کہی بھٹک رہی تھی۔ وہ آگ انہیں اب سونے نہیں دیتی تھی۔

منتہا ان کے سامنے بیٹھی اور فوراً سے انہیں سینے سے لگایا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ان کے بال سہلانے لگی۔ نورین کے آنسو منتہا کا کندھا گیلیا کرنے لگے۔ کمرے میں عجیب مرونی چھائی ہوئی تھی۔ کافور اور

اگر بیٹوں کی مہک پھر سے کمرے میں اٹھنے لگی۔ سب کی ہی آنکھوں میں آنسو تھے۔ تڑپتی ہوئی ماں کو دلا سے دینا آسان نہیں ہوتا۔

ان کے لبوں سے یہی الفاظ جاری تھے کہ 'میں ہار گئی۔'

☆☆☆☆☆☆

چند روز قبل رزاق ہاؤس سے آئی کال نے فاطمہ کا دل باغ باغ کر دیا تھا۔ ان کے ارد گرد تو جیسے بہار کے پھول اگ آئے تھے۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ گھر میں چراغاں کر دے۔ انہیں ایسا رشتہ ہی تو چاہیے تھا جو وانیہ کے بارے میں سب جانتے ہو، انہیں شروع سے کچھ بتانا نہ پڑے۔ ایسے لوگ جو شاہ تاج کے ٹکر کے ہو، شاہ تاج کی باتوں کا اثر نہ لے۔ ان کی بیٹی کو دوبارہ ریجیکشن کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ایسے لوگ جو ان کی بیٹی کی ڈھال بنے۔

سب سے پہلی کال انہوں نے مقدس کو کی تھی اور پھر اظہر صاحب سے معاملہ ڈسکس کیا تھا۔ اظہر صاحب کی خاموشی انہیں کھٹکی ضرور تھی مگر وہ جی کڑا کیے بیٹھی رہی۔ انہوں نے کسی کو بھنک بھی نہیں پڑنے دی کہ اس رشتے کی بنیاد انہوں نے ہی ڈالی ہے۔ ایک دم سے آزان کا رشتہ آجانا سب کے لیے اچنبھے کا باعث ضرور تھا مگر وہ لب سے بیٹھی رہی۔

مقدس کو اس رشتے سے کوئی مسئلہ نہیں تھا مگر اس رشتے میں سب سے بڑا کانٹا بھی شاہ تاج تھی مگر یہ بات بھی سب کے لیے باعث سکون تھا کہ اگر اس کے دیور، دیورانی خود اس رشتے پر راضی ہیں تو

شاہ تاج ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ سب سے زیادہ راحت کی بات بھی یہی تھی کہ شاہ تاج ملک سے باہر تھی، جب تک کیس کسی حتمی فیصلے تک نہ پہنچ جاتا اس کے واپس آنے کا کوئی امکان نہیں بنتا تھا۔

وانیہ کئی دنوں سے ماں کا الگ نکھرا نکھرا روپ دیکھ رہی تھی۔ صبح سے مقدس باجی کا انداز بھی بدلا ہوا تھا۔

سونے سے پہلے دروازیں بند اور بتیاں بجھا دی گئی تھی سوائے راہداری میں لگے بلب کے۔ مقدس باجی دودھ کا گلاس اٹھائے سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی کہ فاطمہ کی آواز پر پلٹی تھی۔

"زرا دھونس سے پوچھنا۔"

"نہیں امی میں پیار سے پوچھو گی۔"

"اس نے انکار کر دیا تو؟" فاطمہ دھیمی آواز میں کہتی سر اٹھائے مقدس باجی کو دیکھ رہی تھی۔

"تو کر دے۔ آپ کو یہ منظور ہے کہ وہ خوش نہ رہے لیکن ہماری خوشی کی خاطر ہاں کر دے؟ البتہ آزان اچھا لڑکا ہے انکار کی کوئی ٹھوس وجہ ہونی چاہیے۔ خیر اللہ بہتر کرے گا۔"

فاطمہ نے ہتھیلیاں مسلی تھی۔ ان کے چہرے کے تاثرات بھی بدلے تھے، مقدس جھوٹ تو نہیں کہہ رہی تھی۔

"اچھا منتہا کو مت بتانا۔ وہ تو سب کو ایک ہی نظر سے دیکھتی ہے۔ وانیہ ہاں کر دیگی تو اسے بھی بتا دیں گے۔" فاطمہ ہاتھ جھلاتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

وانیہ بیڈ پر نوٹس پھیلائے، لبوں میں پین دبائے انہماک سے پڑھ رہی تھی جب دروازہ کھلا تھا۔ وانیہ نے سر اٹھا کر مقدس کو اندر آتے دیکھا تھا اور سر دوبارہ جھکا لیا تھا۔ اس نے نامحسوس طریقے سے بائیں گھٹنے کے قریب رکھے کتاب پر تکیہ رکھا تھا۔

"چاکلیٹ ملایا ہے دودھ میں۔" مقدس باجی اس کی طرف گلاس بڑھاتے ہوئے، نوٹس ایک طرف کرتے ہوئے بیڈ پر بیٹھی تھی۔

"بہت مشکل پیپر ہے کل کا۔" وانیہ نے گلاس تھاما تھا۔
"آخری مڈ ہے ناکل؟"

وانیہ نے گھونٹ بھرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا تھا۔
مقدس باجی نے ہنکارا بھرتے ہوئے کمرے میں نظر دوڑانی شروع کی۔

ان کا یوں فرصت سے بیٹھے رہنا وانیہ کو کھٹکنے لگا۔
"کیا ہادی اور حور سو گئے؟"

"ہاں۔"

وانیہ نے گلاس خالی کرتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔
"کچھ کہنا ہے؟" وانیہ نے ہتھیلی سے لب خشک کرتے ہوئے انہیں دیکھا تھا۔
"ہاں۔" مقدس باجی نے بغیر تمہید باندھے کہا تھا۔

"ایک اور رشتہ آیا ہے۔۔۔" وانیہ نے ماتھے پر سیدھے ہاتھ کی مٹھی ماری تھی۔

"اچھا رشتہ ہے۔"

"میں ان کے سامنے نہیں جاؤ گی۔ میں کوئی کپڑوں کا پرنٹ ہوں کہ لوگ دیکھ کر چلے جائے۔" وانیہ کے چہرے کے تاثرات سخت ہو گئے تھے۔ "میرا بھی دل ہے۔ پلیز، امی سے کہے میری فیملنگز کا خیال رکھے۔ میں ہرٹ ہوتی ہوں باجی۔"

"یہ لوگ تمہیں ہرٹ نہیں کریں گے۔" وہ نرمی سے کہتے ہوئے اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی۔

"لوگ نہیں مجھے شاہ تاج ہرٹ کرتی ہے۔ ان کو بھی وہ بھگا دے گی۔"

"یہ بھاگنے والوں میں سے نہیں ہیں۔"

"مگر یہ کچھ جانتے بھی نہیں ہیں۔" وہ زچ آگئی تھی۔

"یہ سب جانتے ہیں۔" مقدس باجی کے چہرے پر امڈ آنے والی مسکراہٹ نے وانیہ کو چونکا دیا تھا۔

وہ آنکھیں چھوٹی کیے مشکوک نگاہوں سے مقدس باجی کو دیکھنے لگی۔ "کون ہے یہ؟"

"آزان۔"

وانیہ پر تو گڑھوں پانی کسی نے پھینکا تھا وہ بھی گرم۔ آزان کا سراپا اس کی نظروں کے سامنے گھوم گیا تھا۔ اس نے تو کبھی آزان کے لیے ایسا نہیں سوچا تھا نہ ہی آزان کی طرف سے کبھی ایسی پیش قدمی ہوئی تھی۔۔۔ تو اچانک سے اس کا رشتہ آجانا۔۔۔ کہی وہ اس پر ترس تو نہیں کھا رہا۔۔۔!

"انکار کر دے۔" وہ ہتھ سے ہی اکھڑ گئی تھی۔

"کیوں بھی؟ کوئی خاص وجہ؟" مقدس باجی نے حیرانی سے اس کے چہرے کا بدلتا رنگ دیکھا تھا۔

"میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا ان کے بارے میں اور پھر وہ شاہ تاج۔۔۔ میں یوں شاہ تاج کے زیادہ قریب ہو جاؤ گی۔"

"دشمن کے قریب رہا جائے تو وار کا مقابلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔" مقدس باجی نے آنکھ دبائی تھی۔

"باجی۔" وانیہ فوراً بیڈ سے اتری تھی۔ اس کے کان سرخ ہونا شروع ہوئے۔

"کیا وہ اچھا نہیں ہے؟ پیارا ہے اور اچھا کماتا ہے، ہے نا؟" مقدس باجی نے وانیہ کے پشت پر بکھرے بالوں کو دیکھا تھا۔

"میں نے ان کی پرسنالٹی کی وجہ سے انکار نہیں کیا۔ میں شکل پر جاتی تو کوئی شک نہیں کہ وہ بینڈ سم ہیں اور اچھا کماتے ہیں۔ میں شاہ تاج کے کسی رشتہ دار سے رشتہ نہیں جوڑنا چاہتی۔" وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی۔ سڑک پر آوارہ کتا زبان نکالے آگے بھاگ رہا تھا۔

"کیا وہ تمہیں شاہ تاج جیسا لگتا ہے یا غزالہ آنٹی میں شاہ تاج جیسا غرور دیکھ لیا ہے؟ میں اس رشتے پر کبھی راضی نہ ہوتی مگر امی کی بات ٹھیک ہے۔ آزان تمہارے بارے میں سب جانتا ہے۔۔۔ وہ تمہارے

لیے بہتر ڈھال بن سکتا ہے۔ وہ نڈر بھی ہے۔ میں کسی باہر کے آدمی پر بھروسہ نہیں کر سکتی۔ کیا پتا کسی سے تمہاری بات پکی ہو جائے، نکاح بھی ہو جائے اور شاہ تاج اسے ڈرا دھمکا کر تم سے رشتہ توڑنے پر راضی کر لے یا سچ میں جھوٹ کی آمیزش ملا کر اسے سب بتادے تو؟ کم از کم آزان کے ساتھ ہمیں ان باتوں کو کائی خدشہ نہیں ہوگا۔"

"وہ جو دن رات مجھے شاہ تاج اور حمدان کو دیکھنا پڑے گا وہ؟ ابھی بھی تو اپنی دیورانی کو میرے بارے میں ڈرا سکتی ہے؟ اسے کہہ سکتی ہیں کہ مجھ سے شادی کی وجہ سے آزان بھائی کو نقصان پہنچ سکتا ہے، ان کے جاب پر فرق پڑ سکتا ہے بلا بلا۔۔۔ کیا پتا آزان بھائی مجھ پر ترس کھا رہے ہو؟ امی نے انہیں بتا تو نہیں دیا کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے؟ ہر آنے والا مجھے دیکھ کر بھاگ جاتا ہے۔" اس کی سبز آنکھیں بس پھٹنے کو تھیں۔ وہ ایک ہی سانس میں بات ختم کر گئی تھی۔

مقدس باجی کا دل چاہا کہ سر پیٹ لے۔

ان کے مسلسل گھوریوں پر وانیہ جزبز ہو گئی تھی۔، "کیا ہوا؟"

"تم منتہا لگ رہی ہو مجھے۔ پہلی بات آزان الگ رہنے لگا ہے سو تمہیں شاہ تاج کو دن رات نہیں دیکھنا پڑے گا۔ دوم وہ باہر بھاگی ہوئی ہے سو امکان پیدا نہیں ہوتا کہ وہ غزالہ آنٹی کے کان بھرے۔ سوم ایسا ہے بھی تو غزالہ آنٹی نے کان بھی نہیں دھرا، لگ تو یہی رہا ہے ورنہ وہ امی سے فون پر بات نہ کرتی۔ چہارم آزان تم پر احسان نہیں کر رہا نا ترس کھا رہا ہے۔ اسے کون بتائے گا کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے؟ پنجم تمہارے وہاں جانے سے کیسے انہیں نقصان پہنچ سکتا ہے سو فضول کے بہانوں سے اچھا ہے سولڈ وجہ بتاؤ اور معقول وجہ ہوئی تو میں تمہارا ساتھ دوں گی۔"

مقدس باجی کا لہجہ سخت ہو چکا تھا۔ وہ بیڈ سے اٹھی تھی۔

"میں بات کرنے آئی تھی فیصلہ مصلحت کرنے نہیں۔ آزان میں کوئی برائی نہیں، وہ سلجھا ہوا لڑکا ہے۔ ہاں پہلے حمدان کے ساتھ مل کر لڑتا تھا کیونکہ لاابالی تھا۔ منتہا کے دماغ سے مت سوچنا، وہ اور منتہا تو ہر وقت لڑتے تھے۔ منتہا ویسی کی ویسی ہی ہے مگر وہ بدل چکا ہے۔ غزالہ اور جنید انکل بھی اچھے لوگ ہیں۔ اگر انہوں نے شاہ تاج کا ساتھ دینا ہوتا تو منتہا کی منگنی میں شرکت نہ کرتے۔ خاندان کے باقی لوگوں کی طرح انکی طرف سے ایک فون نہیں آیا کہ وہ تمہارے بارے میں تفصیلات لیتی پھریں۔ منتہا کی منگنی والے دن بھی انہوں نے کوئی سوال نہیں کیا اور کیا اس رات جو بھی ہوا انہوں نے نہیں دیکھا؟ اس کے باوجود بھی انہوں نے امی کو کال کی تو اس کا مطلب ہے انہیں تم سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تم ہاں کروگی تو وہ باقاعدہ رشتہ لے کر آئے گی۔ تمہیں نہیں پسند تو کوئی تم پر زور زبردستی نہیں کریگا۔ آرام سے سوچنا۔ شب بخیر۔"

مقدس باجی اس کا جھکا سر دیکھتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی تھی کہ وانیہ کے الفاظ پر وہ ٹھہر گئی تھی۔

"ابا میاں سے کہہ دے کہ وہ استخارہ نکال لیں۔ اگر استخارہ اچھا آگیا تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

مقدس باجی نے پلٹ کر وانیہ کو دیکھا تھا جو بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کاغذوں کو پلٹاتے ہوئے مطلوبہ نوٹس نکالنے لگی۔ وہ اتنی مگن نظر آنے لگی جیسے سب سے اہم کام ہی اب نوٹس پڑھنا ہے۔

مقدس باجی ہلکا سا مسکرا کر کمرے سے باہر نکلی تھی جبکہ وانیہ نے تکیہ ہٹاتے ہوئے کتاب اٹھالی تھی۔ قدیم زمانوں کی کہانی نے اسے اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا۔
کون جانتا تھا کہ وہ کہانی جھوٹی تھی یا سچی۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اے سی کی خنک ہوانے ماحول کا جس بہت حد تک ختم کر دیا تھا۔
غزالہ سلک کا نائٹ گاؤن پہنے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ہینڈز کریم لگا رہی تھی۔ انہوں نے شیشے میں اپنے شوہر کا عکس دیکھا تھا جو بیڈ پر پاؤں پھیلانے بیٹھے موبائل کی اسکرین پر انگوٹھا پھیر رہے تھے۔

"آزان کے لیے اگر ہاں ہوگئی تو بات پکی کر کے عمرے پر چلے گے۔" انہوں نے شیشے میں نظر آتے جنید کے عکس کو دیکھا تھا۔

"میں اس کی شادی اپنی زندگی میں کرنا چاہتا ہوں، دھوم دھام سے۔ پھر پلان کریں گے۔" انہوں نے عینک کے اوپر سے اپنی بیوی کو دیکھا تھا۔

غزالہ نے دکھ سے انہیں دیکھا تھا۔ ان کا رنگ روز بروز زرد ہوتا جا رہا تھا۔ صحت اب پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔

"آپ میری بات کیوں نہیں مان لیتے؟ ہمیں لندن کے ڈاکٹر سے جو میل آئی ہے وہ بہت امید افزا ہے۔ پلیز، وہاں چلتے ہیں۔" غزالہ گاؤن دامن سے برابر کرتی اٹھی تھی۔

"مجھ سے کل بھی عفان آپ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ آپ کیوں خاموش ہیں؟ میرا دل کٹ رہا ہے۔ آپ اسے نہیں بتا رہے اسی لیے اتنی سستی برت رہے ہیں اپنے لیے۔" وہ شوہر کے گھٹنے کے پاس بیٹھی تھی۔

جنید نے موبائل اپنے بائیں طرف بیڈ پر رکھا تھا اور عینک اتار کر بیڈ پر رکھ دی تھی۔

"آپ نے وعدہ کیا ہے، آپ اسے توڑ نہیں سکتی۔ عفان نے ہمیشہ مجھے مضبوط دیکھا ہے اور اب وہ اپنے پایا کو کمزور کیسے دیکھے گا؟ میں جانتا ہوں کہ میں اس کا آئیڈیل رہا ہوں اور اب میں اس کے سامنے کمزور پڑ جاؤں؟ میں اپنی بیماری سے ہارا نہیں ہوں۔ روز کیمو جیسے تکلیف دہ ٹریٹمنٹ سے گزرتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ لندن بھی جاؤ گا مگر پلیرز میرے بچوں کو مت بتانا۔" ان کا گلہ رندہ گیا تھا۔ آنکھیں تو غزالہ کی بھی چھلک پڑی تھی۔ انہوں نے ہمیشہ اپنی بیوی سے محبت کی، ان کا خیال رکھا اور اب جدائی کے بارے میں سوچنا بھی انہیں تکلیف میں مبتلا کرتا تھا۔ غزالہ نے جنید کے ران پر رکھے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔ ان کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا نہ دلاسہ، نہ صبر کی تلقین کے لیے دو لفظ۔

"میں آزان سے بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں جتنا کہ عفان کے ساتھ۔ پر میں مانتا ہوں کہ مجھ سے زیادتی ہوئی ہے۔ عفان بچپن سے ہی ذہین اور سمجھدار تھا جبکہ آزان زرا مختلف بچہ تھا۔ عفان نے میری امیدوں کو اتنا بڑھا دیا تھا کہ میں آزان کو اس سے کم نہیں دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ بار بار کام بگاڑ دیتا تھا۔ عفان ہر کام جوڑنے والا بچہ تھا اور آزان ہر کام بگاڑنے والا۔ لا ابالی۔۔۔ نان سیریس۔ مجھ سے زیادتی ہوئی کہ میں نے عفان کو بہت وقت دیا۔ میں آزان کو عفان کی مثالیں سناتا تھا تاکہ وہ بھائی

جیسا بننے کی کوشش کرے مگر وہ تو الٹ ہی ہو گیا۔ اس بیوقوف کو لگتا ہے کہ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ "جنید استہزائیہ مسکرا دیے۔

"اسے لگتا ہے کہ مجھے نہیں پتا کہ وہ کیفے بنانا چاہتا ہے۔ جو زمین اس نے خریدی ہے وہ اسے اتنی آسانی سے نہیں مل سکتی تھی۔ اس پر ایک اور پارٹی کی نظر تھی مگر میں بھی جانتا تھا کہ آزان کے لیے وہ جگہ کتنی اہم ہے۔ وہاں اگر وہ کیفے بن جائے تو مجھے سو فیصد یقین ہے کہ وہ چل پڑے گا۔ میں نے ڈیل کیا اس پارٹی کو اور آزان کو آسانی سے اس زمین کی ملکیت مل گئی۔ یہ بات آپ کبھی آزان کو نہیں بتائیں گی، وعدہ کریں۔"

انہوں نے غزالہ کے ہاتھ پر اپنا بایاں ہاتھ رکھا تھا۔ غزالہ کی آنکھ سے بہتا آنسو جنید کے ہاتھ پر گرا تھا۔

قصر کی چکردار سیڑھیوں سے اوپر دائیں طرف بنے کمرے میں حمدان کرسی پر بیٹھا میز پر تین مختلف پرچیاں برابر رکھے غور سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ہر تھوڑی دیر بعد وہ گیلی سانس ناک کے ذریعے کھینچتا تھا جیسے اسے زکام ہو گیا ہو۔ دماغ چکرا رہا تھا۔ نشہ کچھ زیادہ کر لیا تھا۔

"Mirror, mirror on the wall, your hair are not black at all"

اس نے تیسری پرچی پر انگلیاں پھیری تھی۔

"A woman with shady past lives near you"

حمدان نے سیدھے ہاتھ کی پشت سے ناک رگڑی تھی اور تینوں پرچیاں اٹھاتا کمرے سے باہر نکلا تھا۔
 "مار تھا۔۔۔ مار تھا۔" وہ چیختا ہوا تقریباً سیڑھیاں پھلانگتا ہوا قصر کے عقب کی طرف بنے پول کی طرف
 بڑھا تھا۔

مار تھا سر، سر کرتی کسی کونے سے برآمد ہوئی تھی اور اب حمدان کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔
 مار تھا کی چھوٹی نیلگوں آنکھوں میں خوف تھا۔

"گھر کے تمام ملازمین پانچ منٹ کے اندر یہاں ہونے چاہیے۔ گو۔" وہ حکم صادر کرتا پول کی طرف منہ
 کیے کھڑا ہو گیا۔

اس کی سنہری آنکھیں ہیبت ناک لگ رہی تھی۔ اس کی وجاہت پر دہشت کا غلبہ تھا۔ وہ بالکل شاہ تاج
 کی کاپی لگ رہا تھا۔ غیض و غضب کی تصویر جیسے صرف دیکھنے سے ہی وہ سب کو بھسم کر دیگا۔

ملازمین ہاتھ باندھے ایک قطار سے حمدان کی پشت کی طرف کھڑے تھے۔ اس قطار میں سب سے
 کونے میں گوئی ہاتھوں کی لغزش کو چھپانے کے لیے چادر میں ہاتھ چھپائے کھڑی تھی۔

"میرے کمرے کی صفائی احسن کرتا ہے، ہے نا؟" اس کی ملازمین کی طرف پشت تھی۔

مار تھا ملازمین کی ہیڈ تھی اسی لیے جوابدہ بھی وہی تھی۔ اس نے بمشکل ہاں کہا تھا۔

"میرے کپڑے لانڈری سے اسد لاتا ہے اور احسن سیٹ کرتا ہے، ہے نا؟"

"جی۔"

"میرے کمرے کی صفائی ہفتے میں تین دن ہوتی ہے اور اس روز ماسٹر کی سے میرا کمرہ کھولا جاتا ہے اور جب صفائی ہو رہی ہوتی ہے تو مارتھا سر پر کھڑی ہوتی ہے، ہے نا؟"

"جی۔"

"تو کس نے یہ پرچیاں میرے پینٹس اور شیونگ کٹ میں رکھی تھی؟" وہ اتنی زور سے دھاڑتے ہوئے مڑا تھا کہ سب اپنی اپنی جگہوں پر کانپ کر رہ گئے تھے۔

"ہمیں کوئی خبر نہیں۔" مارتھا کی زبان لڑکھرائی تھی۔

"کیوں نہیں پتا؟" حمدان نے اسے بازو سے دبوچا تھا۔ "تم لوگوں پر ٹرسٹ کر کے یہاں رکھا گیا ہے۔ تم لوگوں کی آئی ڈی کارڈز میرے پاس ہیں۔ چاہوں تو ابھی چوری کے الزام میں اندر کر دوں یا پھر سیدھا ڈی پورٹ۔ سیدھی طرح بتاؤ، کون تم دونوں کے علاوہ آتا ہے میرے کمرے میں؟" اس نے مارتھا کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

گوئی لرزتے قدموں کے ساتھ بمشکل کھڑی رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کبھی نظریں اٹھا کر انہیں دیکھتی کبھی جھکا لیتی۔

"خداوند کی قسم میں نہیں جانتی۔" مارتھا نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

حمدان نے ایک جھٹکے سے اسکا ہاتھ چھوڑا تھا۔

"احسن سچ سچ بتاؤ۔ یہ پرچیاں کون میرے کمرے میں رکھتا ہے؟" حمدان نے احسن کی آنکھوں کے سامنے وہ تین پرچیاں لہرائی تھی۔

"سر میں نہیں جانتا۔" احسن نے سر جھکائے جواب دیا تھا۔

حمدان گہرا سانس لیتا پول کی طرف پلٹا تھا۔ وہ چند پل یونہی کھڑا رہا۔ اس کا خاموش ہو جانا بھی سب کو اذیت میں مبتلا کر رہا تھا۔

حمدان نے جیب سے لائٹر نکالا تھا اور احسن کی طرف پلٹتے ہوئے اس کی شہادت کی انگلی تھامی تھی۔
"سو تم نہیں جانتے۔" وہ غرایا تھا اور لائٹر کا کیپ ہٹا کر لائٹر جلایا تھا۔

آگ کا شعلہ براہ راست احسن کی شہادت کی انگلی کو جھلسانے لگا۔ وہ ہاتھ پیچھے کرنا چاہتا تھا مگر حمدان کی گرفت سخت تھی۔

"سر۔۔۔ سر میں نہیں جانتا۔" وہ دانت پر دانت جمائے تڑپتے ہوئے چیخ اٹھا تھا۔

حمدان نے لائٹر بند کیا تھا، "آخری چانس۔ کون پرچیاں رکھتا ہے؟" حمدان کے چہرے پر اس قدر سفاکیت تھی کہ وہ رات جب گونگی بے زبان ہوئی تھی ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگی۔

کیا شاہ تاج اور حمدان احساس سے عاری لوگ تھے؟

"میں نہیں جانتا۔۔۔ نہیں جانتا۔" وہ رو پڑا تھا۔ شہادت کی انگلی جھٹکتے ہوئے منت پر اتر آیا تھا۔

"آل رائٹ۔" حمدان نے جیسے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا اور پھر ایک جھٹکے سے اس کا انگوٹھا پکڑ کر اس قدر زور سے مروڑا تھا کہ 'ٹک' کی آواز کے ساتھ اس کی ہڈی مڑ گئی تھی۔

اس کی دلخراش چیخے جیسے آسمان تک گونجی تھی۔ وہ تکلیف سے دہرا ہوتا گھٹنوں کے بل سبزے پر گرا تھا۔

مارتا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس سنہرے سخت دل انسان کو دیکھ رہی تھی۔

گوئی کا گلہ خوف کے مارے خشک ہو رہا تھا۔ دل پیروں میں گر رہا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے حمدان؟" عفان کی آواز گرمی میں بارش کی پھوار جیسی تھی۔

گوئی نے پلٹ کر عفان کی سمت دیکھا تھا۔ وہ نور کو انگلی تھمائے باہر نکل آیا تھا۔ یعنی نور اسے یہاں کھینچ لائی تھی، شاباش۔۔۔ گوئی نے طمانیت بھرا سانس خارج کیا تھا۔

"خیریت ہے؟ احسن کیوں رو رہا ہے؟" وہ سبزے پر بیٹھے بلکتے ہوئے احسن کو دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

"یہ دیکھیے۔" اس نے پرچیاں عفان کی طرف بڑھائی تھیں۔ "یہ کیا ہے؟ میں نے اسی لیے یہاں سب کو اکٹھا کیا ہے کہ کون ہے جو میرے ساتھ بیہودہ شرارت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

عفان پرچیاں تھامے انہیں پڑھنے لگا۔ نور نے کن آنکھوں سے گوئی کو دیکھا تھا۔

"تو پھر کیا رزلٹ نکلا؟"

"چور بھلا بتائے گا کہ وہ چور ہے۔ ابھی تین چار اور لگاؤنگا تو بول پڑے گے۔"

عفان نے سر موڑ کر مارتھا کو دیکھا تھا اور ابرو کو جنبش دیتے ہوئے معاملہ کیا ہے کا سوال پوچھا تھا۔

"ہم نہیں جانتا۔ یہ سب بھی بے قصور ہے۔" وہ جیسے منمنائی تھی۔

"تم ان کے لیے قسم اٹھاؤ گی۔" حمدان نے براہ راست مارتھا کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

مارتھا نے آہستہ سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"اچھا ریلیکس۔۔۔ میں ڈھونڈ لوں گا جس کی شرارت بھی ہوئی۔ تمہارے کمرے کی طرف سی سی ٹی وی بھی نہیں لگا ہوا۔ تم آزان کے کمرے کی طرف بنے کمرے میں آ جاؤ۔ وہاں بالکونی میں سی سی ٹی وی لگا ہوا ہے۔ جو بھی یہ حرکت کرنے کی کوشش کریگا وہ پکڑا جائے گا۔ اگر سی سی ٹی وی ڈس ایبل کرنے کی کوشش کی تب بھی۔ خیر وہ اتنا اسمارٹ ہو گا نہیں۔" عفان نے حمدان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

حمدان نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا تھا اور پول کی طرف بڑھا تھا۔

گوئی نور کو دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرائی تھی۔ اس کی کب کی رکی ہوئی سانس اب بحال ہوئی تھی۔

حمدان چھلانگ لگاتا پول کے پانی میں گرا تھا۔ پانی کی چھینٹیں احسن کے منہ پر پڑی تھی۔

عفان اس پر ایک افسردہ نظر ڈالتا اندر بڑھا تھا۔ پہلے باپ گیا اور اب ماں بھی یہاں سے چلی گئی

تھی۔ وہ کوئی بگڑا ہوا بچہ لگ رہا تھا جو ماں باپ کی عدم توجہی کے باعث شر انگیز بنتا جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

چڑیا اڑتے ہوئے قصر کے سبزے میں لگے بائل پام درخت پر بیٹھی تھی۔ دھوپ شدت سے سبزے

پر پڑ رہی تھی۔ اونچے درخت تلے لگے اس درخت پر گھنا سایہ پڑ رہا تھا۔

قصر کے اندر داخل ہو تو گرمی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ہر کمرے، لاؤنج میں چلرز لگے ہوئے تھے۔

ڈائنگ ہال کی تمام لائٹس روشن تھیں۔ سربراہی کرسی پر جنید سیب کی قاش منہ میں رکھ رہے تھے۔ ان کے ماتھے پر تفکر کی لکیریں تھیں۔ عفان پرچیاں ہاتھ میں پکڑے بار بار ان جملوں کو پڑھتا تھا اور لنک کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ خنسا اور غزالہ ایک دوسرے کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔

"حمدان کی طبیعت میں شدت پسندی کچھ زیادہ آتی جا رہی ہے۔" غزالہ نے فکر مندی سے جنید کو دیکھا تھا۔

"شاہ تاج نجانے اب کب واپس آئے گی۔ کچھ دنوں پہلے اس سے بات کی تھی۔ دل چاہا تھا کہ بتا دوں کہ ہم آزان کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں لیکن پھر آپ کی بات یاد آگئی تو خاموش رہی۔"

"اچھا کیا۔" جنید نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا تھا۔

شاہ تاج کچھ عرصہ پہلے ہی ان کے لیے مشکوک ہو گئی تھی۔ ان پر لگنے والے الزامات کی وجہ سے وہ مزید مشکوک ہو گئی تھی اور اب ان پرچیوں پر لکھے جملے جو پزل کا ٹکڑا لگتے تھے، پہلی لگتے تھے مزید انہیں الجھا رہے تھے۔

"مجھے پہلے ہی ڈر ہے کہ اس کی حرکتوں کی وجہ سے ہم مصیبت میں پڑینگے۔ آئے تھے نیب والے ہمارے آفس چونکہ شاہ تاج بر منگھم پہنچ گئی تھی تو انہیں لوٹنا پڑا۔ بہر حال میرے ذرائع مجھے آگاہ کرتے ہیں کہ ہو سکتا ہے ہمارے مل پر چھاپا پڑے۔ بہت مشکل وقت آنے والا ہے۔" جنید نے سفید بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے گہرا سانس بھرا تھا۔

"پاپا آپ ٹینشن نہ لے۔ میں دیکھ لوں گا سب۔" عفان نے باپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔

غزالہ کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ اٹکنے لگا۔ وہ شوہر کے وعدے کی پابند تھی ورنہ ایک پل نہ لگاتی عفان کو بتانے میں کہ جنید کو ہر قسم کے ٹینشن سے دور رکھا جائے، وہ پہلے ہی تکلیف میں مبتلا ہیں۔

"آپ کو یاد ہے بھائی جان کے ڈاکٹر دوست تھے ایک۔ ڈاکٹر محمود۔ ان کی وائف کے ساتھ آپ کی اچھی سلام دعا تھی۔ کیا اب بھی بات چیت ہوتی ہے؟" جنید نے غزالہ کو دیکھا تھا۔

"وہ تو بہت عرصہ پہلے امریکہ شفٹ ہو گئے تھے اور پھر میرا ان سے رابطہ نہیں رہا۔ کیوں خیریت ہے؟"

جنید نے مایوسی سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

اس آخری امید کا سرا بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ انہوں نے بہت غور و حوض کے بعد W کا مطلب وزیر رزاق نکالا تھا۔ وہ غلط بھی ہو سکتے تھے اور سہی بھی۔ اب صرف اس شخص کو ڈھونڈنا تھا جو حمدان کے کمرے میں پرچیاں رکھتا تھا۔ وہ سچ جاننا چاہتے تھے کہ آیا ان کے دل میں جو شک کا کیڑا ہے وہ درست ہے یا غلط۔

"کل جانا ہے نا عالم ہاؤس! اچھی تیاری کیجیے گا۔ کسی چیز کی کمی نہ رہ جائے۔"

جنید نے کرسی دھکیلتے ہوئے موضوع بدلا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

فارض کے گھر کے کچن سے اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبو پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ حلیمہ بیگم کبابوں کو تل رہی تھی ساتھ ہی چٹنی بھی کوٹ رہی تھی۔

منتہا خدیجہ کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے جامنی رنگ کا لان کا سوٹ پہن رکھا تھا، شفعون کا ڈوپٹہ مفکر کے سے انداز میں گلے کے گرد باندھ رکھا تھا۔ کندھوں تک آتے بالوں کی فرنیچ چوٹیاں بنا رکھی تھی۔ ناک میں نوز پن، ہلکے سے میک اپ میں وہ نہایت اچھی لگ رہی تھی۔

"یشفین آپنی کو بھی لے آتی۔ وہ بہت جولی ہیں، ان کی کمپنی میں بڑا مزہ آتا ہے۔" خدیجہ منتہا کے برابر صوفے پر بیٹھی پاؤں جھلا رہی تھی۔

"اسے لگتا ہے کہ میں اور فارض زیادہ سے زیادہ وقت گزارے گے تو یہ بہت رومانٹک لگے گا۔ اسی لیے اس نے کباب میں ہڈی بنا مناسب نہیں سمجھا۔" منتہا نے مسکرا کر سر جھٹکا تھا جیسے یشفین کا مذاق اڑایا ہو۔

"پھر تو یہاں میں بھی کباب میں ہڈی ہوں۔ خیر، آپ کی انگوٹھی کہاں ہے؟"

منتہا نے چونک کر اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی کو دیکھا تھا۔ اس نے کتنے ہی لوگوں کو جواب دیے تھے، بہانہ گڑھا تھا اور ہمیشہ سے رٹا رٹا یا جواب دینا پہلے سے زیادہ مشکل لگتا۔ کاش کوئی نوٹ نہ کرتا، کوئی نہ پوچھتا مگر یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ فارض ہر وقت چاندی کی انگوٹھی کسی تمنغے کی طرح پہنے رکھتا تھا۔ منتہا نے مصنوعی افسردگی سے خدیجہ کو دیکھا۔

"اسلام آباد بھول آئی۔"

"اوہ۔" خدیجہ کو از حد افسوس ہوا تھا۔

"چلے نیکسٹ ٹائم جائیں گی تو پہن لیجیے گا۔ بھائی نے خود پسند کی تھی، یقین جانے آج تک میرے یا امی کے لیے اپنی پسند کا ایک جوڑا بھی نہیں خریدا۔ اب تو شاید جلد ہی اسلام آباد جانا پڑ جائے ہے نا؟"

"کیوں؟" منتہا نے نا سمجھی سے اسے دیکھا تھا۔

فارض سیڑھیوں سے اترتا، گیلے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"وانیہ کے نکاح یا منگنی کے لیے۔"

"کیا مطلب ہے؟" منتہا کے ابرو اکٹھے ہوئے تھے۔ تو اس سے پھر کچھ چھپایا جا رہا ہے یا خدیجہ چھوڑ رہی ہے۔

فارض خدیجہ کے برابر جگہ بناتا بیٹھا تھا۔

"آپ کو نہیں بتایا کیا؟ اس کے کوئی کزن ہے، دیکھا تھا آپ کی منگنی پر اسے۔ امم۔" خدیجہ نے ماتھے کو شہادت کی انگلی سے بجانا شروع کیا جیسے نام یاد کرنے کے لیے ذہن پر زور ڈال رہی ہو جبکہ منتہا سے اب ایک لمحے کا انتظار کرنا محال ہو گیا تھا۔

وہ صوفے پر زرا آگے کھسک گئی تھی خدیجہ سسپنس جو پھیلا رہی تھی۔

"آزان۔ ہاں ان کا باقائدہ رشتہ آنے والا ہے۔"

"اچھا۔۔ منتہا تم نے بتایا نہیں؟" فارض نے مسکراتے ہوئے منتہا کو دیکھا تھا۔

منتہا کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اتنی بڑی بات اسے کسی نے نہیں بتائی اور یہ بات اسے اپنی نند سے پتا لگ رہی تھی۔ نند بہن سے زیادہ قریب ہو گئی تھی۔ تو کیا اس کی شادی بھی کروا دیتے اور وہ لاعلم رہتی؟ اسے شدید اہانت کا احساس ہونے لگا۔ دماغ کی نسیں کھینچنے لگی، دل چاہا کہ ابھی ماں کو فون ملائے اور ساری بھڑاس نکال دے۔ مگر اسے اپنی عزت بھی رکھنی تھی۔

"ہم آفس میں مصروف رہتے ہیں پھر دماغ میں یہ بات ہی نہیں رہی کہ آپ کو بتاتی۔ لیکن یہ بات پتا تھی مجھے۔" منتہا نے بمشکل مسکراتے ہوئے اپنی عزت رکھی تھی ورنہ دل تو بجھ گیا تھا۔

"اٹس اوکے۔ آئے میں آپ کو اپنا روم دکھاتی ہوں۔" خدیجہ نے اٹھتے ہوئے منتہا کا ہاتھ تھاما تھا۔ وہ بجھے ہوئے دل کے ساتھ اٹھی تھی۔

نچلے پورشن میں ہی لاؤنج کے ساتھ خدیجہ کا کمرہ تھا۔ نفاست سے پیٹ شدہ چھوٹا سا کمرہ تھا۔ بیڈ کے برابر میں میز اور اس پر لیپ ٹاپ پڑا ہوا تھا۔ فارض سینے پر ہاتھ باندھے دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"میں آپ کو اپنا شوق دکھاتی ہوں۔" خدیجہ مسکراتے ہوئے الماری کی طرف بڑھی تھی۔

"قدیم شوق۔" فارض نے اسے چھیڑا تھا۔

وہ اتنی پر جوش تھی کہ بھائی کو جواب دینا بھی مناسب نہ سمجھا۔ وہ فائل نکالے اس میں سے رسالے بیڈ پر پھیلا رہی تھی۔

"یہ میرا بچپن کا شوق تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ امی اپنے بچپن کے ڈائجسٹ اور اخبار یوں سنبھال کر رکھتی تھی اور پھر مجھے بھی شوق چڑھا۔" وہ ایک ایک کر کے اخبار اٹھا کر منتہا کو دیکھا رہی تھی۔

منتہا کو اس کے قدیم شوق میں کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن وہ مروتاً مسکراتی رہی۔

"یہ دیکھے میں نے ڈرامینگ بنائی تھی اور اخبار میں چھاپنے کے لیے بھیجی تھی۔ اس وقت بچوں کا بھی ایک صفحہ ہوتا تھا اور دیکھے پبلش بھی ہو گیا تھا۔" اس نے اخبار منتہا کی طرف بڑھایا تھا۔ خدیجہ سے اخبار تھامتے ہوئے منتہا کے ہاتھ سے دوسرا صفحہ فرش پر گر گیا۔ وہ معذرت کرتی جھکی تھی مگر اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ یہ تصویر؟

اس سے پہلے کہ وہ اخبار اٹھاتی خدیجہ نے وہ صفحہ اٹھا لیا۔

"یہ صفحہ دینا۔" منتہا نے ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

خدیجہ نے صفحہ اس کی طرف بڑھایا تھا۔ صفحہ تھامتے ہی اس نے ایک ہی سانس میں ساری خبر پڑھ ڈالی۔ وہ کبھی تصویر کو دیکھتی اور کبھی اخبار کو۔ اس نے تاریخ پر نظر دوڑائی، یکم جولائی انیس سو پچانوے۔ یہ شخص؟

وہ ذہن پر زور ڈالنے لگی۔۔۔ کہیں تو دیکھا تھا۔۔۔ کیسی عجیب سی بات تھی کہ وہ ملک کا غدار تھا جسے گرفتار کیا گیا تھا مگر شکل و صورت کسی سے بہت مشابہہ تھی۔۔۔ وہ اخبار واپس بیڈ پر رکھنے کے لیے جھکی ہی تھی کہ اس کے ہاتھ تھمے تھے۔

ضرار کے مل جانے کے بعد وہ اور یشفین اس کے گھر گئے تھے۔ وہ ضرار سے بحث کرنے لگی تھی اور ان کی بحث ہمیشہ لاحاصل رہی تھی۔ وہ ایکسیوز کرتی فائقہ کے ہمراہ واش روم کی طرف بڑھی تھی۔ وہ کشادہ سے لاؤنج سے منسلک راہداری کی طرف بڑھی تھی۔ راہداری میں دیوار سے ایک چھوٹا سا فریم لٹک رہا تھا۔ کوئی بارعب شخص سر پر ٹوپی اور پاؤں میں بوٹس اور وردی پہنے دونوں پہلوں پر ہاتھ رکھے مسکرا رہا تھا۔ پانچ چھ سال کا خوبصورت سا بچہ اس کے کندھوں پر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ یہ رنگین تصویر تھی جیسے پرانوں وقتوں کی رنگین تصاویر ہوتی تھی۔ اس لڑکے کی کالی آنکھیں جاذب نظر تھی، گھنے کالے بال ماتھے پر گر رہے تھے۔

منتہا نے اخبار واپس اٹھایا تھا اور تصویر دوبارہ سے دیکھنے لگی۔ خدیجہ اور فارض کیا کہہ رہے تھے وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔

"سنا تھا تمہارے باپ نے بھی خودکشی کی تھی!"

منتہا کے کانوں میں چانڈیو کے الفاظ گونجے تھے جب قید کے دنوں میں چانڈیو نے سفاکی سے ضرار کے ماضی کو دہرانے کی کوشش کی تھی۔ منتہا نے ضرار کے چہرے کا سفید پڑتا رنگ دیکھا تھا۔ وہ تب کچھ نہیں پوچھ پائی تھی، اسے صرف زندہ رہنے میں دلچسپی تھی۔ خودکشی؟ پھر اس تصویر میں گرفتار ہونے والا شخص اور ضرار کے گھر میں لگی تصویر ایک ہے اور ضرار اور اس شخص میں مشابہت بھی بہت تھی تو دونوں باپ بیٹا تھے۔۔۔

تو کیا انہوں نے ضمیر کی عدالت میں ہار مانتے ہوئے خودکشی کی تھی؟ وہ واقعی ملک کے غدار تھے؟

خدیجہ اس سے اخبار چھین چکی تھی۔ وہ سارے اخبار اکٹھے کر کے الماری میں رکھنے لگی۔

منتہا کا دماغ کسی سلو موشن ویڈیو کی طرح کام کر رہا تھا۔ وہ غائب دماغی سے فارض کو دیکھنے لگی، اثبات میں سرہلانے لگی۔ اس کے پیچھے کمرے سے باہر نکلی۔ وہ بجھے دل کے ساتھ فارض کے گھر والوں کے ساتھ شام گزارنے لگی مگر اس کا دماغ ایک ہی نقطے پر پھنسا ہوا تھا۔۔۔ خود کشی اور گرفتاری۔۔۔

☆☆☆☆☆☆

کلب میں بلیو اور سرخ روشنی وقفے وقفے سے موجود نفوس پر پڑ رہی تھی۔ کوئی گروپ میں کھڑا سنو کر کھیل رہا تھا، کوئی تاش کھیل رہا تھا اور کوئی آئس کانٹنمنٹ کر رہا تھا۔ حمدان صوفے پر سر ٹکائے مدہوش تھا۔ اس کے لب نہایت آہستگی سے ہل رہے تھے۔ وہ بار بار پرچی پر لکھے الفاظ دہراتا تھا، بھول جاتا تھا، پھر گڑبڑا جاتا تھا۔

"مر۔۔۔۔۔"

کلب سے دور قصر کے اندر نور کے کمرے کے ڈریسنگ روم میں گونگی اور نور فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"تارا آپ اب ہم یہ گیم نہیں کھیلے گے۔" وہ دبیز قالین کو انگلیوں سے دباتی افسردہ لگ رہی تھی۔ "مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔"

گونگی خاموش بیٹھی اس کا جھکا سر دیکھ رہی تھی۔ وہ ننھی سی بچی احسن کو روتے بلکتے دیکھ کر اپ سیٹ ہو گئی تھی۔

"حمدان چاچو کتنا غصے میں آگئے تھے۔ انہوں نے احسن انکل کو کتنی تکلیف دی حالانکہ انہیں تو نہیں پتا تھا کہ ان کے کمرے میں، میں گئی تھی۔ مجھے اب گلٹ ہے۔ اگر میں بابا کو نہ لاتی تو وہ آپ کو بھی تکلیف دیتے اور مجھے بھی، ہے نا؟"

گوئی نے خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا تھا وہ ننھی بچی کہی گلٹ میں اتنا نہ ڈوب جائے کہ سب سچ اگل دے اور شاہ تاج کی کاپی کے ہاتھوں اس کی شامت آجائے۔ یہاں تو خنسا بھی اسے نہیں چھوڑے گی جو اسکو شاہ تاج کے قریب رہنے کی وجہ سے ناپسند کرتی تھی۔ گوئی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے نور کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالتے ہوئے اس نے اس کے ہاتھ چھوڑے تھے اور ہاتھوں کے اشارے سے اپنی بات سمجھانے لگی۔

(ہم آئندہ ایسا گیم نہیں کھیلے گے وعدہ۔ آپ بھی اپنا وعدہ رکھیے گا اور کسی کو نہیں بتایے گا کہ ہم نے کیسا گیم کھیلا۔)

"ٹھیک ہے۔ مجھے مزہ بھی نہیں آیا تھا۔" نور نے اپنی چھوٹی سی ناک سکڑی تھی۔
گوئی نے آنکھیں بند کر اسے پھر سے یقین دلایا تھا کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔

یہ طریقہ اسے بہت مدد دیتا اگر حمدان اس چور کا پیچھا نہ شروع کر دیتا جو پرچیاں رکھتا تھا۔ مگر اس خوفناک کھیل سے حاصل بھی کیا تھا؟ اب وہ شاہ تاج کی زندگی میں کیسے بھونچال لائے گی یہ ایک نئی تکلیف دہ سوچ تھی۔

☆☆☆☆☆☆

وانیہ کو نجانے کیوں یقین تھا کہ یہ رشتہ اس کے لیے مناسب نہیں ہوگا اور استخارے میں یہیں جواب آئے گا۔ وہ مڈ دے کر واپس آگئی تھی اور لاشعوری طور پر ماں کی طرف سے جواب کی منتظر تھی پر گھر میں تو جیسے خاموشی تھی۔ اس نے بھی خاموش رہنا مناسب سمجھا مگر دل اب بھی بے چین تھا۔ آر یا پار ہو۔۔۔ ہاں یا نہ ہو مگر یوں خاموشی کی مار تو نہ ماری جائے۔

اسی انتظار میں دوسرا اور پھر تیسرا دن بھی گزر گیا تھا۔ مقدس باجی اپنے گھر چلی گئی تھی وہ کس سے پوچھتی۔ مگر اس دن وہ علی الصبح ہی آگئی تھی۔ وہ یونیورسٹی کے لیے تیار کھڑی تھی جب مقدس باجی نے اس کے سر پر بم پھوڑا تھا۔ استخارہ اچھا نکلا تھا، جواب مثبت آیا تھا۔

وانیہ کے پیر اس قدر بے جان ہو گئے تھے کہ اس سے کھڑا رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ اب وہ کس برتنے پر انکار کرے؟

وہ تمام دن پریشانی میں گزرا تھا۔ وہ خاموش تھی، سنجیدہ از حد سنجیدہ۔۔۔

دل بجھا ہوا تھا مگر اس کی ماں تو خوش تھی اور ابامیاں نے استخارہ کیا تھا۔ وہ استخارہ کرتے رہتے تھے اور ان پر عمل لازمی۔۔۔ انہیں فائدہ بھی ہوتا تھا تو اسے کیسے نقصان ہو سکتا تھا۔

ابھی عشا کے بعد کھانے پر بیٹھے ہی تھے کہ منتہا کی ویڈیو کال آگئی تھی۔

"مجھے یقین تھا کہ مجھے اسپتال سے اٹھا کر لائے ہیں آپ لوگ۔" اس کی ناراضی بھری آواز ڈانگ ٹیبل پر بیٹھے تمام نفوس نے سنی تھی۔

مقدس باجی، ابامیاں اور امی نے گہرا سانس بھرا تھا۔ امی کا تو ماتھا پیٹنے کا دل کیا تھا۔

"میں دور ہوں ٹھیک ہے لیکن ہر بات مجھے ہی سب سے آخر میں کیوں پتا لگتی ہے؟ سب سہی کہتے ہیں جو درمیانہ بچہ ہوتا ہے وہ پسا ہوا ہوتا ہے، neglected child ہوتا ہے۔ اب کل کو اس کی شادی بھی طے کر دے تو نہیں آؤگی۔"

"سوچ لو بیٹے، واقعی نہیں آؤگی؟" ابا میاں کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

سب ہی مسکرائے تھے سوائے منتہا اور وانی کے۔ منتہا نے ہاتھ جھلایا تھا جیسے اسے واقعی پرواہ نہیں ہوگی۔

"تمہیں بتایا کس نے؟" مقدس باجی کو کب سے یہی سوال پوچھنا تھا۔
"خدیجہ نے۔"

"نند گھر کا گند۔" فاطمہ نے شرارتاً مسکراتے ہوئے کہا تھا اور ابا میاں کے لیے پلیٹ میں بھنڈی نکالنے لگی۔

"ایسی نہیں ہے وہ۔" وانیہ منمنائی تھی۔

"تم چپ رہو گھنی۔ میری بہن ہو کہ اسکی؟" ویڈیو کال پر ہی منتہا نے اسے گھر کا تھا، "مجھ سے پوچھا بھی نہیں؟ ٹھیک ٹھیک، مجھے تو اسپتال سے اٹھایا تھا نا! اور شاہ تاج کے خاندان سے کیوں ابا؟ وہ بھی آزان۔۔۔ کتنا نان سیریس ہے وہ، جھوٹا اور جھگڑالو بھی۔ آپ کو یاد ہے جب ہم چھوٹے تھے اور عفان بھائی کی سالگرہ پر ہم ان کے گھر گئے تھے۔ اس کی وایچ کی تعریف ہی کی تھی میں نے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے رونا پیٹنا ڈال دیا کہ میری وایچ چوری ہوگئی اور چوری منتہا نے کی ہے۔ میرے پاس چھوٹا

سا پرس تھا بڑے اکڑ کر اس کو پرس تھمایا کہ لو دیکھو اگر نہ نکلا نا تو میں نے سو جوتے مارنے ہیں اور شرمندگی کسے اٹھانی پڑی۔۔۔! مجھے۔۔۔ کچھ دنوں بعد اس نے خود ہی اگل دیا تھا کہ وہ واپس اس نے خود میرے پرس میں رکھی تھی۔"

"بچپن میں سب ہی شرارتی ہوتے ہیں۔ بیٹے استخارہ مثبت آیا ہے۔ اب اس بحث کو چھوڑ دو۔ ہم وانیہ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دیں گے۔ اب بس ختم کرو اس ٹاپک کو۔ کل وہ لوگ باقاعدہ رشتہ لینے آرہے ہیں۔"

"لو جی۔ ہاتھوں پر سرسوں جمائی جا رہی ہے۔" منتہا نے ہاتھ پر ہاتھ مارا تھا۔

وانیہ ساکت بیٹھی رہ گئی تھی۔ تو کل وہ لوگ آرہے تھے اور اسے خبر بھی نہیں تھی۔

وہ ساری رات سوئی جاگی رہی۔ جب جاگ جاگتی تو دھیان بٹانے کو وہی کتاب اٹھا لیتی اور جب تک پڑھتی وہ بھول جاتی کہ صبح کون آرہے ہیں۔ اس کا دل کیوں اتنا دھڑک رہا ہے۔

سورج آہستہ آہستہ اپنا سر نکالنے لگا تھا۔ آسمان صاف تھا۔ خوبصورت سے صبح کی دھوپ عالم ہاؤس پر پڑنا شروع ہو گئی تھی۔ گھر میں ہلچل تھی۔ وہ رزاق ہاؤس جیسے امیر نہیں تھے، ان کے جیسی کراکری بھی نہیں تھی مگر اس گھر میں محبت تھی۔ جو بھی تھا وہ رزق حلال سے آیا تھا۔ گھر چھوٹا تھا مگر یہاں سکون تھا، ایک دوسرے کو سنا اور غلطیوں کو درگزر کیا جاتا تھا۔

فاطمہ نے اپنے محلے سے کانچ کے برتن منگوائے تھے اور اب وہ انہیں خشک کرتی ریک میں رکھ رہی تھی۔ ڈوپٹہ نماز کی صورت چہرے کے گرد باندھ رکھا تھا۔

"میں اب بھی حیران ہوں کہ جنید صاحب کو اس گھر سے رشتہ لینے کا خیال آیا کیسے؟"

اظہر صاحب کی آواز پر فاطمہ چونک کر پلٹی تھی، دل تو دھڑکا تھا پر پکڑے جانے کے خوف سے چہرے پر نارمل تاثرات لاتی برتنوں کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"خیال تو اللہ ڈالتا ہے اب استخارہ بھی اچھا آگیا تو ان باتوں کو کیوں سوچا جائے کہ کیسے ہوا کیوں ہوا۔"

اظہر صاحب نے مسکراتے ہوئے سر ہلا کر ان کی تائید کی تھی۔

"دیجیے باقی کے برتن میں دھو لوں۔"

"توبہ بالکل نہیں۔ اچھا تھوڑی لگتا ہے کہ مرد کام کرے۔ آپ جائے۔" فاطمہ نے انہیں ایسے جھٹکا تھا جیسے وہ نمک کے بنے ہو، پانی لگتے ہی پگھل جائے گے۔

"مرد کام کرے یا عورت، کام بانٹنے سے کم ہوتا ہے۔ اگر میرے ہاتھ بٹانے سے آپ کے لیے آسانی پیدا ہوتی ہے تو پھر میں کیوں مردانگی کے زوم میں آرام کرتا رہوں جبکہ میرے گھر کی عورت کام کرتے کرتے تھک گئی ہو۔ مردانگی یہ نہیں کہ عورت پر سارا بوجھ ڈالا جائے بلکہ اس کے لیے آسانی پیدا کرنا بھی مردانگی ہے۔ اب جاییے زرا بیٹھ جائے، آپ کے گھٹنوں میں درد ہے۔ پلیز یہ کام مجھے دیجیے۔" انہوں نے فاطمہ کو کندھوں سے تھامتے ہوئے پیچھے کیا تھا اور آستین چڑھاتے ہوئے برتن اٹھانے لگے۔

دن کے وقت میرون گاڑی والے گھر میں گہما گہمی تھی۔ نور، حوریہ اور ہادی باغیچہ میں شور مچاتے کھیل میں مصروف تھے۔ لاؤنج میں خنساء، عفان، جنید، فاطمہ، اظہر اور غزالہ بیٹھے محو گفتگو تھے۔ مٹھایوں کے بڑے بڑے ڈبے سینٹر ٹیبل پر رکھے ہوئے تھے۔ غزالہ سادہ سے سوٹ میں ملبوس ہلکی پھلکی جیولری پہنے ہوئی تھی۔ انہوں نے کبھی قیمتی کپڑے پہن کر دوسروں کو نیچا دکھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان کے مزاج کی سادگی ہمیشہ سے فاطمہ کو پسند تھی۔ یہ غزالہ کے مزاج کی سادگی تھی کہ فاطمہ ان سے جھجکتی نہیں تھی اور اب بھی رشتے کی بات کے بجائے سب الگ الگ موضوع پر بات کر رہے تھے جیسے رشتے کی بات تو گھر کی بات تھی دونوں طرف سے ہاں ہو چکی تھی تو اب فارمیٹی کی کیا ضرورت تھی۔ وانیہ مقدس باجی کے ساتھ کچن میں میز کے گرد بیٹھی ہوئی تھی۔ ٹی پنک کاٹن کی فراک کے ساتھ آرگنزا کا ڈوپٹہ پہنے، بالوں کو جوڑے میں قید کیے وہ نروس لگ رہی تھی۔

"اگر میں نہ جاؤ تو۔۔۔!" وانیہ نے مقدس باجی کی پشت دیکھی تھی جو پزا کے ٹکڑے پلیٹ میں رکھ رہی تھی۔

"تو میں انہیں دوسرے کمرے میں لے آؤ گی۔ اب وہ گھر آئے ہیں تو تم سے ملنا تو چاہے گے اور جب تم گھر پر ہو اور نہ ملو تو بری بات ہوگی۔ ویسے بھی آزان نہیں آیا۔"

"میں ان کی وجہ سے نہیں کہہ رہی۔" وانیہ ہاتھوں میں پہنی چوڑیوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگی۔ چوڑیاں کچن میں کھنکتی آواز پیدا کر رہی تھی۔

"پھر؟"

"میں وہ تقریب والی رات نہیں بھولی۔ کیا یہ لوگ بھولے ہونگے؟"

"اف اللہ۔" مقدس باجی وانیہ کی طرف پلٹی تھی۔ "شباباش تعوذ پڑھو تا کہ شیطان یہ وسوسے نہ ڈالے۔"

مقدس باجی سر جھٹکتے ہوئے واپس پلٹی تھی۔

وانیہ ڈوپٹہ ٹھیک کرتے اٹھی تھی۔ وہ اٹھی گردن اور اٹھے کندھوں کے ساتھ مقدس باجی کو کام کرتا ہوا چھوڑ کر لاؤنج کی طرف بڑھی تھی۔ اسے جب سب کو فیس کرنا ہی تھا تو تاخیری حربوں کا فائدہ۔۔۔

وہ لاؤنج میں قدم رکھ چکی تھی۔ غزالہ اسے دیکھتی ہی کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ اتنے والہانہ انداز میں وانیہ سے ملی تھی کہ اس کا رہا سہا خوف بھی غائب ہو گیا تھا۔ وہ ہلکی پھلکی ہوتی سب کے پیچ میں بیٹھی تھی۔ وہ نہیں آیا تھا پھر ٹھیک ہے۔ اس نے مقدس باجی سے یہی تو سننا تھا۔ اب وہ آزادانہ یہاں بیٹھ سکتی تھی اور باتیں بھی کر سکتی تھی۔

وہ مسکراتے ہوئے خنسا کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جو اسے آزان کے نہ آنے کی وجہ بتا رہی تھی۔ وہ کیوں نہیں آیا اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی یہی بات اطمینان بخش تھی کہ وہ نہیں آیا۔

شام مغرب میں ڈھلنے لگی تھی مگر اس خاندان کی نشست لمبی ہوتی گئی جیسے دو ہنچھڑے لوگ بہت عرصے بعد ملے ہو۔

☆☆☆☆☆☆

گوئی اپنے کوارٹر میں بیٹھی مٹھی میں چاول بھر کر منہ میں رکھتی تھی۔ کمرے میں صرف ایک ہی پنکھا چل رہا تھا۔ اسکا کمرہ صاف ستھرا اور بیڈ قدرے نرم ہوتا تھا۔ وہ گیلے بال پشت پر ڈالے، صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئی تھی۔ جنید رزاق بمع فیملی کہاں گئے تھے اسے پتا تھا۔ اس کی ننھی دوست اسے سب بتاتی تھی مگر اب عشا کے نزدیک کا وقت تھا اور ان کی آمد کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ وہ چاولوں کو مٹھی میں بھر رہی تھی کہ مارتھا دروازے پر دستک دیتی اندر داخل ہوئی تھی۔

"میم شاہ تاج کا فون ہے۔" مارتھا اپنا فون گوئی کو تھما کر واپس پلٹ گئی تھی۔

گوئی بستر پر بچھے دسترخوان سے انگلیاں صاف کرتے ہوئے تکیے ایک دوسرے کے اوپر رکھنے لگی۔ تکیے کے اوپر تکیے پر اس نے فون بیڈ کراؤن سے ٹکا کر رکھا تھا۔ اب اسے شاہ تاج آرام سے دیکھ سکتی تھی اور وہ شاہ تاج کو۔ شاہ تاج سرخ کلر کے سویٹر اور جرابے پہنے، صوفے پر آرام دہ حالت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ بالوں کو جوڑے میں باندھ رکھا تھا، گود میں رکھے باؤل سے وہ چیریز اٹھا اٹھا کر کھا رہی تھی۔

"مجھے یہاں آئے دو ہفتے ہو گئے ہیں۔ گھر میں سب ٹھیک ہے؟"

اوہ تو معلومات لینے کے لیے فون کیا ہے ورنہ اس نے کب یوں گوئی کو فون کیا تھا۔

گوئی نے ہاتھوں کے اشارے سے سب کی خیریت بتائی۔

"کہاں ہیں سب؟ میری بہن کے گھر سے کوئی اطلاع آئی ہے۔ جب سے میں یہاں آئی ہوں کسی نے ایک فون نہیں کیا مجھے۔ جب وہاں ہوتی تھی تو سب شاہ تا شاہ تاج کہتے ہوئے نہیں تھکتے تھے۔ مطلبی لوگ۔" شاہ تاج نے نفرت سے سر جھٹکا تھا۔

کیا اسے کوئی خبر نہیں کہ رزاق ہاؤس میں کیا تبدیلی کی جارہی ہے۔ یعنی کہ اس گھر کے دو لوگ بے خبر تھے، ایک حمدان اور ایک شاہ تاج۔ وہ جانتی تھی کہ حمدان وانیہ کو پسند کرتا ہے تو کیا اسی لیے گھر والوں نے اس سے اتنی بڑی بات چھپائی تاکہ بدمزگی نہ ہو۔

گوئی وانیہ کے گھر والی بات گول کرتے ہوئے اسے اشاروں سے سمجھانے لگی کہ گھر والے کہیں ڈنر پر گئے ہیں۔

"ہاں ایک میں ہی ایکسٹرا تھی، اب یہاں ہوں تو سب بہت خوش ہونگے۔ خیر میں جلد ہی پاکستان آؤگی، کلیئر ہو کر۔ ان سب کو دیکھو گی میں۔۔۔ بہر حال، حمدان سے بات ہوئی تھی میری۔" اس نے رک کر چیری منہ میں رکھی۔

"بتا رہا تھا کہ کسی نے اس کے کمرے میں، پینٹس کی جیب میں پرچیاں رکھی ہیں۔ بڑی معنی خیز باتیں تھی اور وہ کنفیوزڈ تھا، مشکوک تھا۔ اس نے اخذ کیا کہ کوئی اسے کچھ بتانا چاہتا ہے شاید وزیر کے بارے میں یا کسی ایسے شخص کے بارے میں جس کا ماضی صاف نہیں ہے۔ میرا بیٹا ہے اور مجھ پر یقین کریگا۔ میں نے بہر حال اسے سمجھا لیا۔ پرچیاں تو بہت واضح تھی لیکن حقیقت کچھ ہی لوگوں کو معلوم ہے۔ میرا شک تم پر گیا تھا۔"

گوئی کا گلہ ایسے سوکھ رہا تھا جیسے کانٹے آگ آئے تھے۔ اسے پانی کی شدید کمی محسوس ہوئی۔ جسم کے مساموں سے پانی ٹپک پڑا تھا۔

"لیکن حمدان نے کہا کہ وہ انگریزی میں لکھی گئی تھی اور تمہیں تو انگریزی لکھنی ہی نہیں آتی۔ لیکن تم کسی سے لکھوا بھی تو سکتی ہو، ہے نا؟" شاہ تاج کی کھوجتی ہوئی نظریں اسکرین کو چھیدتی اسے کرید رہی تھی۔ گوئی کو لگا وہ ایک بار پھر پکڑی گئی ہے۔ گوئی نے تھوک نگل کر سر نفی میں ہلایا۔

"چلو تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔ واپس آؤ گی تو خود ہی اس شرارتی کو ڈھونڈ لو گی۔" شاہ تاج نے ایک اور چیری منہ میں رکھی تھی۔

اس کے لہجے کا چیلنج گوئی کے رونگٹے کھڑے کر رہا تھا۔ اس کے دل سے بے ساختہ بدعائنکی تھی، کاش اس کا جہاز کریش ہو جائے۔

"تم سے پھر بات ہو گی۔" شاہ تاج نے آگے جھک کر فون بند کر دیا تھا۔

ہوم اسکرین پر رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ فون کب کا آف ہو چکا تھا پر گوئی یونہی ساکت بیٹھی رہ گئی تھی۔ جسم میں اذیت کی لہریں اسے جھٹکا دیتی گزر رہی تھی۔ وہ آگئی اور اس نے پتا کروا لیا تو؟

اگر نور نے معصومیت میں سب اگل دیا تو۔۔۔؟

اسے نور کی زبان بند کرنی چاہیے یا شاہ تاج سے نمٹنا چاہیے۔۔۔

☆☆☆☆☆☆

اسلام آباد ہائی کورٹ پر تیز دھوپ پڑ رہی تھی۔ کورٹ تھا بھانت بھانت کے لوگوں نے تو آنا تھا۔

کچھ ملزمان ہتھکڑیاں پہنے اپنے کیس کو فیس کرنے کورٹ آئے تھے۔ کچھ ملزمان پر فرد جرم عائد ہو چکا تھا۔

کچھ کلائنٹس اپنی اپنی شکایات لے کر مطلوبہ لائر کے کمرے کی طرف بڑھتا تھا۔

ایسے میں آزان ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا کورٹ روم سے باہر نکلا تھا۔ حسب معمول زیشان اس کے رفتار کا ساتھ دینے کی کوشش میں اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

"سر ہم کیس ہار گئے۔" یہ جملہ اس نے دوسری بار دہرایا تھا۔ اسے لگ رہا تھا شاید آزان نے پہلی بار میں نہیں سنا اب سن لے گا۔ افسوس کے دو بول ہی بول دے مگر وہ تب بھی خاموش رہا اور اب بھی۔

اسے کوفت ہو رہی تھی کہ آزان پر کوئی فرق کیوں نہیں پڑا تھا، وہ کیوں اسکی طرح دکھی نہیں ہے۔

"آج ہماری نئی انٹرنی آئی ہے، وہ کیا سوچتی ہوگی کہ ہم کیس ہار گئے ہم کیسے لائرز ہیں؟"

آزان رک کر ایڑھیوں کے بل پلٹا تھا۔ زیشان اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔

"See how much I care"

زیشان اس کے چہرے کے تاثرات کھوجنے لگا مگر وہ بے تاثر چہرہ تھا۔ ٹھنڈے تاثرات۔

زیشان کو سخت مایوسی ہوئی۔

"آپ جان بوجھ کر ہارے۔"

آزان اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سیڑھیاں اترنے لگا۔

"کیوں؟" زیشان کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"اس ڈاکٹر کو لگا تھا کہ میں بیوقوف ہوں۔ خیر میں تھا بھی، میں بھی انسان ہوں اور کیس لیتے وقت پرکھ میں غلطی ہو سکتی ہے۔ اس سے غلطی نہیں ہوئی تھی، وہ جانتا تھا کہ جو سرنج اس نے استعمال کی ہے وہ استعمال شدہ ہے اور پھر بھی اس نے اتنا بڑا رزک لیا۔ میں ایسے شخص کی وکالت نہیں کر سکتا جس نے جان بوجھ کر دوسرے انسان کی جان لی ہو۔" آزان نے دور سے ہی اپنی چمکتی رائل بلیو کلر کی گاڑی ان لاک کی تھی۔

"سر آپ جا رہے ہیں؟ کہاں؟ اور وہ جو نیو انٹرنی آئی ہے، اس سے تو مل لیتے۔"

"اسے تم ڈیل کرو۔" آزان نے پلٹ کر اسکا شانہ تھپتھپایا تھا۔

تیز دھوپ کے باعث اس نے کوٹ کی جیب میں رکھی کالی عینک آنکھوں پر چڑھائی تھی۔

"دوسری بات میں تمہاری طرح فارغ نہیں ہوں، اپنا بزنس چلانے کی تیاری میں ہوں۔ جاؤ اسسٹنٹ، نیو انٹرنی کو ڈیل کرو۔" آزان نے مسکرا کر اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

وہ کیس ہارے تھے، چاہے آزان حق بجانب تھا مگر اس کے کیئریر کے لیے یہ کوئی اچھی بات تو نہیں تھی پھر وہ اتنا خوش کیوں ہے؟

زیشان دونوں پہلوں پر ہاتھ رکھے آزان کو گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

دوپہر کا وقت آہستہ آہستہ شام میں ڈھلنے لگا تھا۔

آزان کے ایف ٹن والے اپارٹمنٹ میں اچھی خاصی گہما گہمی تھی۔ نور سینے سے کشن لگائے آزان کے کمرے میں بیٹھی ایل سی ڈی پر کارٹون دیکھ رہی تھی۔ خنسا اور غزالہ آزان کے ساتھ کچن میں کھڑے آرڈرڈ فوڈ کو پلیٹس میں نکال رہے تھے۔ آزان نے سفید رنگ کی ہلکی ٹی شرٹ زیب تن کر رکھی تھی۔ گھنے بالوں پر جیل کا اثر ختم ہو چکا تھا، اس لیے بال اب ماتھے پر بکھر کر گر رہے تھے۔ آزان تین گلاسز میں کوک ڈال چکا تھا۔ کوک کی مقدار زیادہ نہیں تھی اور اب وہ اس میں سیون اپ ڈال رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" خنسا نے حیرت سے اسے دو ڈرنکس مکس کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

"کاک ٹیل بنا رہا ہوں۔ اپنے اسسٹنٹ سے سیکھا ہے۔ وہ بھی زرا میری طرح کھسکا ہوا ہے۔ اس دن آیا تھا میرے گھر اور ہم نے بھنڈی میکرونی بنائی تھی۔ لذیز تھا ویسے۔" آزان نے مسکراتے ہوئے اب فائنا ڈالنی شروع کی۔

"ایک تم کم کھسکے ہوئے کم تھے کہ اسسٹنٹ کو بھی اپنے جیسا بنا دیا۔ خیر، آئی ہوپ کہ یہ مزے کا ہو۔" خنسا سینے پر ہاتھ باندھے اسے مہارت سے گلاس بھرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"کل جنید بہت خوش تھے۔ بتا رہے تھے بہت وقت بعد اتنا لذیذ کھانا کھایا ہے۔ فاطمہ دم کا قیمہ بہت اچھا بناتی ہے۔" غزالہ فرائیڈ چکن کی پیسز پلیٹر میں سجا رہی تھی اور کن اکھیوں سے آزان کو دیکھا جو اب تینوں گلاسز کو ٹرے میں رکھ رہا تھا۔

"وانیہ بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔" خنسا بغور آزان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

وہ اسے چھیڑنا چاہتی تھی، اگلوں چاہتی تھی کہ اس کی وانیہ کے بارے میں کیا رائے ہے مگر وہ اب بھی خاموش رہا۔ اسے جیسے خنسا کی چھیڑ چھاڑ سے کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا تھا۔

غزالہ پلیٹس ٹرے میں رکھتی ڈائننگ میز کی طرف بڑھی تھی۔ ان کے کچن سے نکلتے ہی خنسا نے آزان کے بازو پر ہلکا سا مارا تھا۔

"زیادہ اداکاری کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیسی اداکاری؟" آزان نے بازو سہلاتے ہوئے انہیں حیرانی سے دیکھا تھا۔

"یہی کہ تمہیں کچھ انٹرسٹ نہیں کہ وہاں کیا باتیں ہوئی اور پہلے شادی ہوگی یا منگنی یا وانیہ کیسی لگ رہی تھی۔"

آزان نے گہرا سانس بھرا تھا۔

"اب میں بے صبرے پن کا مظاہرہ تو کرنے سے رہا۔ ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے اسکا بھی کچھ مقرر کیا ہوگا اور پھر جو بھی کیا ہوگا مجھے اعتراض نہیں ہے۔" آزان نے کندھے اچکائے تھے۔

"اتنا کول اور calm بننے کی ایکٹنگ مت کرو۔ خود ہی اس کا نام لیا تو یقیناً دل میں کچھ ہوگا۔ اور اب دیکھو اس ماچو مین کو۔" خنسا نے سینے پر ہاتھ باندھ لیے تھے۔ وہ جیسے بضد تھی کہ آزان وانیہ کے بارے میں کوئی رائے دے۔

"اف اللہ۔ بھئی وانیہ کیا کوئی بھی ہوتی میری رائے تو پوچھی جاتی نا! نام تو اس لڑکی کا بھی پھر لینا ہی تھا۔ اب آپ لوگ کوئی رومیو جولیٹ ایکسپیکٹ کر رہے ہیں تو آئی ایم سوری، آپ کو وہ مصالحہ نہیں

ملنے والا۔ بلیو می، فی الحال I'm happy but there's no such thing like love between us, yet زرا انتظار کرے بھا بھی جلدی کس بات کی ہے۔ "آزان نے دونوں آنکھیں بند کر کے کھولی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

"وہ جلد شادی نہیں کرنا چاہتے۔"

"پھر؟"

"وہ چاہتے ہیں کہ ابھی صرف نکاح ہو۔ وانیہ کی تعلیم مکمل ہو جائے پھر شادی کی جائے۔"

"اچھی بات ہے۔ مجھے اس پر اعتراض نہیں۔"

"لو ادھر پاپا شادی پر اصرار کر رہے تھے۔ خیر عفان کے کہنے پر زیادہ ضد نہیں کی۔"

آزان نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا اور ٹرے اٹھائے ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھا تھا۔ غزالہ نور کو بلانے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

"کیا تم عفان سے ناراض ہو؟"

"نہیں۔" اس نے ٹرے میز پر رکھی تھی اور کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھا تھا۔

"اس کی نیت بری نہیں ہے۔ تم جب سے گھر چھوڑ کر گئے ہو کوئی ایک دن ایسا نہیں گزرا جب اس نے تمہیں یاد نہ کیا ہو۔ تمہارے بچپن کی شرارتیں تو نور کو یاد ہو گئی ہیں۔ تمہیں ہر کام کو بگاڑنا اور پھر اسے کسی جگاڑو طریقے سے سنوارنا نور کو بہت پسند ہے۔ عفان تمہیں نہیں بھولا۔ تم ابھی بھی اس کے

لیے وہی چھوٹے سے آزان ہو جو جولی اور شرارتی تھا۔ "خنسا کرسی کھینچتے ہوئے اس کے برابر میں بیٹھی تھی۔

"میں اب بھی ویسا ہی ہوں۔ جولی، لیکن اسے مثبت انداز میں نہیں لیا گیا۔ عفان میرا خون ہے، بھائی ہے میرا۔ میں بھی اسے نہیں بھولا۔" آزان کے چہرے پر افسردگی چھا گئی تھی۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔

"ہمارے نظریات مختلف ہیں اور یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ خون کے رشتوں کی سوچ اور فیصلے ایک جیسے ہی ہونگے۔ ہم اپنے اختلافات کو ایکسیپٹ کرتے ہوئے بھی ساتھ رہ سکتے ہیں یا ملنا ملانا رکھ سکتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری نہیں کہ قطع تعلقی کی جائے۔ میری پاپا سے کچھ شکایتیں ہیں مگر اسکا مطلب یہ نہیں کہ میں ان سے نفرت کرنے لگا ہوں۔" آزان کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔

دونوں ہی خاموش ہو گئے تھے۔

"چاچو میں یہ والا سوٹ پہنوں گی آپ کی شادی پر۔" نور ٹیب پکڑے بھاگتے ہوئے آزان کے پاس کھڑی ہو گئی تھی۔

آزان آنکھیں چھوٹی کیے گردن دائیں طرف موڑے اسکا فراک دیکھنے لگا جس کی ٹیل اچھی خاصی لمبی تھی۔

"اوکے۔" آزان نے آنکھیں بند کر کے کھولی تھی۔

"It's expensive"

"میں صرف آپ کے لیے تارے نہیں توڑ سکتا باقی سب کچھ لینے کو تیار ہوں۔"

نور خوشی سے اچھلتے ہوئے آزان کے بال ماتھے پر بکھیرنے لگی۔

خنسا اور غزالہ ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کھانے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

اس اپارٹمنٹ میں خوشی تھی، ہلکے پھلکے ماحول میں باتیں ہو رہی تھی مگر حمدان کے کمرے میں خاموشی تھی، ہو کا عالم تھا۔

مغرب کا اندھیرا چھا چکا تھا مگر لائٹس بند تھی۔ وہ واش روم کے شیشے کے سامنے کھڑا تھا۔ پانی کا قطرہ اس کے گیلے بالوں سے گردن اور پھر گردن سے سینے پر پھسلا تھا۔ اس نے اپنے سنہرے بال دیکھے تھے، چمکتے سونے کے زرات جیسے جو اس پر جگتے تھے۔

"تمہارے بال بالکل بھی کالے نہیں ہیں۔"

اس نے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس پہیلی کا اردو ترجمہ سرگوشی میں پڑھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

ضرار ٹانگ پر ٹانگ رکھے اپنے گھر کے لان میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ جمعہ، ہفتہ اور اتوار کے دن اس کا کوئی شو نہیں ہوتا تھا۔ وہ ابھی تک نائٹ سوٹ میں ملبوس بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ ابھری تھی۔ رحمان چانڈیو کے گھر پر ایف آئی اے کی طرف سے چھاپہ مارا گیا تھا۔ اس کے گھر کے بیسمنٹ سے ڈالرز کی بوریاں اور سونا برآمد ہوا تھا۔ آمدن سے زائد اثاثوں

کے کیس میں وہ گردن تک پھنس چکا تھا۔ اپنے ڈاکیومنٹس الیکشن کمیشن کو جمع کرواتے وقت اس نے ان اثاثوں کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ قوی امکانات تھے کہ وہ نا اہل ہو جاتا۔

"آپ کی کافی۔" مجید کی آواز پر ضرار نے اخبار میز پر رکھا تھا اور اس سے کافی کا کپ تھاما تھا۔
"کیسی جا رہی ہے یونیورسٹی؟"

"بہت اچھی۔ میرے بہت سے دوست بھی بن گئے ہیں۔" وہ دانت نکالے پر جوش انداز میں اسے یونیورسٹی کے حالات بتا رہا تھا۔

"اچھے دوست بنانا۔ کسی کی باتوں میں مت آجانا۔" ضرار نے کافی کا گھونٹ بھرا تھا۔ کافی بد مزہ تھی، ضرار اسے کتنی بار سکھا چکا تھا مگر شاید کافی کے معاملے میں اس کے ہاتھ میں ذائقہ نہیں تھا۔ ضرار بمشکل کڑوے کریلوں جیسے پانی کو گھونٹ گھونٹ حلق سے اتارتا رہا۔

"آج آپ ماڈلنگ کریں گے۔ واقعی؟" مجید ضرار کے برابر میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے نہایت پر جوش نظر آنے لگا۔

"ہاں۔" ضرار سر جھٹکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"دیکھو شیو بھی خود نہیں بنائی۔ اب وہ خود ہی سیٹ کریں گے۔"

"میں جا سکتا ہوں دیکھنے؟"

"نہیں۔ تمہارا پاس انہوں نے نہیں دیا مجھے۔ خیر ٹی وی پر ضرور ہیڈ لائنز میں آئے گا اور پھر ایڈیٹنگ کے بعد کسی چینل پر چلایا جائے گا۔ تب دیکھ لینا۔" ضرار نے اسکا بجھا ہوا چہرہ دیکھا تھا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ میں آپ کو دلہا بنا ہوا دیکھونگا۔ تصویریں ضرور لیجیے گا میں یونی میں سب کو دکھاؤنگا یہ میرے جاننے والے ہیں۔ بڑے قریبی۔" مجید نے خوشی سے ضرار کا ہاتھ دبایا تھا۔

ضرار نے مسکراتے ہوئے اس کا چمکتا چہرہ دیکھا تھا۔

دوپہر کی دھوپ آہستہ آہستہ سمٹتے ہوئے غائب ہو چکی تھی۔ پتیا روڈ سورج کے ڈوبتے ہی ٹھنڈا ہونے لگا۔

بیک اسٹیج پر یہ کشادہ سا میک اپ روم تھا۔ چھت پر جابجا لگی روشنیوں نے پورے میک اپ روم کو روشن کر رکھا تھا۔ ماڈلز آئینوں کے سامنے کھڑی اپنا میک اپ کروا رہی تھیں۔ کچھ ماڈلز تیار ہو چکے تھے۔ مرد اور خواتین کی تخصیص کے بغیر یہاں لڑکا لڑکی دلہا دلہن کے لباس میں ملبوس نظر آتے تھے۔

ایسے ہی ایک آئینے کے سامنے ضرار کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ شو اسٹاپر تھا۔

اس کی ہلکی سی داڑھی کو مہارت سے میک اپ سے سیٹ کیا گیا تھا۔ رنگت قدرے سانولی کر دی تھی۔ وہ بال ہمیشہ پھولے ہوئے بناتا تھا مگر آج اس کے بال جیل سے ایک طرف کو ماتھے سے بالکل چپکا کر سیٹ کیے گئے تھے۔ وہ کالی شیروانی پہنے ہوئے تھا جس کے کالر پر زرد موتی لگے ہوئے تھے اور سرخ بھاری ڈوپٹے کو اس نے ایک طرف کندھے پر ڈال رکھا تھا۔

وہ میک اپ آرٹسٹ سے ہلکی پھلکی باتیں کرتے ہوئے تیار ہو چکا تھا۔ ڈائریکٹر اسے اسٹیج سے نزدیک راہداری میں لے آیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی انڈسٹری کی مشہور اداکارہ خوبصورت بھاری بھر کم دلہن

کے روپ میں کسی سلطنت کی شہزادی لگ رہی تھی۔ ڈائریکٹر کے اشارے پر اداکارہ نے اس کی کہنی پکڑی تھی اور دونوں خراماں خراماں اسٹیج کی طرف بڑھے تھے۔ اندھیرا ایک دم روشنی میں بدل گیا تھا۔ ایک ساتھ آڈینس میں بیٹھے لوگوں نے تالیاں بجائی تھیں، کسی نے اونچی آواز میں دونوں کو داد دی تھی۔ کیمرے کی فلیش لائٹس اور ہلکے میوزک میں وہ دونوں اسٹیج کے سرے پر کھڑے تھے۔ ضرار زندگی میں پہلی دفعہ نروس لگ رہا تھا مگر وہ مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔ وہ وجیہ تھا، وجیہ لگ رہا تھا۔ لوگوں کو ہاتھ ہلا کر وہ دونوں پلٹے تھے۔

شو بہت اچھا گیا تھا۔ وہ سب سے تعریفیں سمیٹتا، ایک دو کا نمبر ان کا دل رکھنے کے لیے اپنے پاس محفوظ کرتا اب جینز اور شرٹ واپس پہن چکا تھا۔ ہونٹوں کو گول کیے وہ سیٹی بجاتا بیسمنٹ میں بنے گیراج کی طرف آیا تھا۔ گیراج میں سناٹا تھا جس کو اس کی کیڈیلیک سی ٹی سکس کے ان لاک بیپ نے توڑا تھا۔ وہ دروازہ کھولتے اندر بیٹھا تھا۔ سیٹ بیلٹ باندھتے ہی وہ انجن میں زندگی دوڑانا چاہتا تھا کہ اس کا فون بج اٹھا۔ ضرار نے بائیں کلائی میں پہنی اسمارٹ واچ پر نظر ڈوڑائی تھی۔ وہ یس کا بٹن دباتا محتاط انداز میں بات کرنے لگا۔ وہ ان نون نمبرز کم ہی اٹھاتا تھا۔

"کیسے ہو ضرار؟"

آواز پہچاننے میں اسے ایک منٹ بھی نہیں لگا تھا۔ ابھی تو اس کی شام اچھی گزری تھی اور یہ شخص اس کی شام برباد کرنے کے لیے بیچ میں کود پڑا۔

"پرائیویٹ نمبر سے کال کرنے کا مقصد؟" ضرار بغیر تمہید باندھے بولا تھا۔

"اچھا اب اگر تمہیں علیک سلیک میں دلچسپی نہیں ہے تو میں بھی نہیں کرتا۔ بتانا یہ تھا کہ تمہیں لگتا ہے مجھے کچھ علم نہیں ہوگا۔ جب سے تمہیں آزاد چھوڑا تھا تمہارے ایک ایک موپر میری نظر تھی۔"

"جیسے میں تو جانتا ہی نہیں تھا۔" ضرار نے استہزائیہ سر جھٹکا تھا۔

"میرے خلاف تم اس حد تک چلے گئے۔ بہر حال، تم اتنی آسانی سے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نہیں دیکھ سکتے۔"

"میں ہتھکڑیاں پہنانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ میں تو بس تمہیں گندا کرنا چاہتا تھا۔" ضرار نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکایا تھا۔

"پھر تم بھول گئے کہ میں تمہیں کیسے گندا کر سکتا ہوں؟"

"تمہارے حربے جانتا ہوں۔ کوئی نئی بات کرو۔"

"نئی بات۔" اسپیکر پر چانڈیو کی ہنسی سنائی دی تھی۔ "نئی بات یہ ہے کہ تم اس گاڑی سے باہر نہیں نکل سکتے۔ کر لو کوشش اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔"

ضرار کے ابرو اکٹھے ہوئے تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی مگر وہ کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اس نے کتنی بار ریموٹ اٹھا کر بٹن دبایا تھا مگر دروازہ تو جیسے ایلفی سے چپک گیا تھا۔ ضرار کے گردن پر پسینے کا قطرہ پھسلا تھا۔ خطرے کی گھنٹی اسے آس پاس بجتی سنائی دی۔

"پھر کھلا دروازہ؟"

"میرے ساتھ ڈرٹی گیمنز مت کھیلو۔ میں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ ضرار ذوالفقار بہت نیک ہے۔ میرے اندر کے انتقامی ضرار کو مت جگاؤ۔ کیا کر رہے ہو تم میرے ساتھ؟" ضرار نے حتیٰ الامکان اپنا لہجہ ہموار رکھنے کی کوشش کی تھی۔

"یہ دروازہ اب تب کھلے گا جب تمہاری روح جسم سے پرواز کر چکی ہوگی۔ جب لوگ کھڑکیوں سے جھانک جھانک کر دیکھے گے اور چیخ پڑے گے۔ تمہارے جامنی ہونٹ، ادھ کھلی آنکھیں اور گردن کی رگیں تک نظر آرہی ہوں گی۔ تمہاری ماں خود کو پیٹے گی۔ تمہاری موت کی وجہ گاڑی میں گیس بھر جانا ہوگا اور کیا کس نے ہوگا یہ کبھی کوئی جان نہیں پائے گا۔ میڈیا ایک قابل اینکر سے ہاتھ دھو بیٹھے گا مجھے دکھ تو ہوگا۔"

ضرار کے گلے میں جیسے کسی نے پھندا ڈالا تھا۔ اس کے جسم کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے آگے ہوا تھا اور زور و شور سے دروازہ کھولنے لگا۔

"کوئی ڈیل نہیں کرو گے؟" اسپیکر سے چانڈیو کی مذاق اڑاتی ہوئی آواز ابھری تھی۔

ضرار کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ "تم نے اس ضرار کو جگایا ہے جو بچپن میں غلطی سے نہیں خود بچوں کو چھیڑ کر ان کی ٹانگ توڑا کرتا تھا۔ اگر میں زندہ بچ گیا تو میں تمہیں بہت تڑپا کر ماروگا۔ یہ رہی میری ڈیل۔" ضرار نے چبا چبا کر الفاظ ادا کیے تھے۔

چانڈیو نے قہقہہ لگاتے ہوئے فون بند کیا تھا۔ اس کے فون بند کرتے ہی گاڑی میں گیس بھرنا شروع ہو گئی تھی۔

ضرار نے بوکھلاتے ہوئے اپنی شرٹس کی بٹنز کھولنی شروع کر دی۔ بدبو اس قدر جان لیوا تھی کہ ضرار کے لیے سانس بند رکھنا بھی محال ہونے لگا۔ وہ آواز دینے کے لیے منہ بھی نہیں کھول سکتا تھا۔ شرٹ اتارتے ہوئے اس نے ناک اور ہونٹوں کے گرد شرٹ اچھے سے باندھ دی تھی۔ پھر بھی گیس کی بو ناقابل برداشت تھی۔ اس نے گاڑی کے تمام لاکس چیک کر لیے تھے، دروازے کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

پسینہ اس کی کنپٹیوں سے گرتا شرٹ میں جذب ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے اور آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا۔ وہ بمشکل اسکرین پر فوکس کیے اسٹیج ڈائریکٹر کو فون ملا رہا تھا۔ ہر جاتی بیل پر ضرار کا دل دھڑک رہا۔ گیس کی شدت بڑھ رہی تھی۔ وہ رک رک کر سانس لیتا تھا اور جب سانس لینے کی غرض سے منہ کھولتا تو نہایت گندی بدبو اس کا انتظار کر رہی ہوتی تھی۔

کتنی ہی گھنٹیاں گئی تھی مگر وہاں سے جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے کانٹیکس نکالے کہ وہ کس کو فون کرے جو قریب ہو۔ اس کی نظر دھندلانے لگی، ہاتھ بے جان ہو رہے تھے۔

"یہ میرا نمبر۔۔۔" ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس پر نثار ہوتی خوبصورت سی ماڈل نے اسے اپنا نمبر دیا تھا۔

اس کے سن ہوتے اعصاب میں اس کی آواز گونجی تھی۔ کبھی کسی کا نمبر لینا بھی کتنا مفید ثابت ہوتا ہے۔ ضرار نے ایم کی لسٹ پر انگوٹھا رکھا تھا اور بمشکل آنکھیں کھولے اسے فون ملایا تھا۔ بدبو اس قدر پھیل چکی تھی کہ اس کا سانس روکنے کا بھی فائدہ نہیں تھا۔

وہ اسٹیرنگ پر ماتھا رکھ چکا تھا۔ اس کے شل ہوتے اعصاب نے نسوانی آواز میں ہیلو سنا تھا۔ اسے اس ماڈل کا نام بھی بھول چکا تھا۔

"سنو۔۔۔ میں پارکنگ۔۔۔" اس کا فون ہاتھوں سے چھوٹ کر اس کے گود میں گر گیا تھا۔ "مجھے بچاؤ۔۔۔ میری گاڑی۔۔۔ گیس۔۔۔" اسے الفاظ بھول رہے تھے۔ سب گڈ مڈ ہو رہا تھا۔ اسے کچھ نظر بھی نہیں آرہا تھا۔ وہ بمشکل ہونٹ ہلانے لگا پتا نہیں آواز جا بھی رہی تھی یا نہیں۔ "گیراج۔۔۔ گیس۔۔۔"

غنودگی اس پر غالب آگئی تھی اور وہ آہستہ آہستہ بادلوں پر پیر رکھ رہا تھا۔ اسے کے ساتھ وہی سب پھر سے ہو رہا تھا۔ وہ سرنگ کی طرف نکل پڑا تھا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وانیہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے آگے کرسی رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔ دونوں کھڑکیاں کھلی ہوئی تھی۔ باہر سے آتی ہلکی سی ہوا اس کے گال کو چھوتی لٹ سے چھیڑ چھاڑ کرتی بھاگ جاتی تھی۔ وہ بائیں کلائی میں پہنے سونے کے کنگنوں کو شہادت کی انگلی سے چھوتی تھی۔

اس کے تمام حقوق آزان کے لیے اور آزان کے تمام حقوق اس کے نام جلد ہی محفوظ ہونے والے تھے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے جھر جھری لی۔ کتنا مشکل تھا یہ حقیقت تسلیم کرنا کہ جسے اس نے کبھی اس انداز سے نہیں دیکھا تھا اس سے رمضان میں اس کا نکاح ہونے جا رہا تھا۔ سب کچھ بہت

تیزی سے ہوا تھا۔ کوئی اس سے پوچھتا کہ یہ رشتہ کیسے طے ہوا تو وہ کہتی کہ بس آنکھ جھپکی تھی اور بات طے ہو چکی تھی۔

اس نے حمدان کو پسند کرنا شروع کیا تھا جب وہ کالج میں تھی۔ جب ایک دن وہ اور شاہ تاج اسے چھوڑنے آئے تھے۔ اس کی ایک دوست نے حمدان کو پوری کلاس میں مشہور کر دیا تھا کہ وانیہ کا کزن بالکل انگریز ہے۔ وہ ٹام کروڑ ہے، کبھی کہتی وہ ہینری کیول ہے۔ اس کی خالہ کتنی گریس فل خاتون ہیں۔ دوستوں کی باتوں نے اسے ساتویں آسمان پر چڑھا دیا تھا۔ وہ بھی حمدان کو اس نظر سے دیکھنے لگی جیسے کہ اس کی دوستوں نے دیکھنا شروع کیا تھا اور یہ پسندیدگی یک طرفہ نہیں تھی بلکہ دو طرفہ تھی۔

اس کا جھکاؤ خود بخود ہی حمدان کی طرف بڑھ گیا تھا مگر وقت نے آہستہ آہستہ ان کے بہت سے نقاب اتارے تھے۔ حمدان جنونی تھا۔ شکی تھا۔ وہ ماں کی طرح اسے بے رحم بھی لگا۔ اس نے اپنے آپ سے سوالات شروع کیے کہ اس کی چوائس کیسی ہے جو اس کے لیے اسٹینڈ بھی نہیں لے سکتا۔ وہ صرف اسے پسند کرتا ہے مگر یہ پسندیدگی کسی رشتے میں بھی بدلے گی اس نے کبھی نہیں کہا تھا۔ وہ اسے ہر وقت کٹھرے میں رکھنے والا شخص ابا میاں سے مختلف تھا۔ اور اسے آہستہ آہستہ سمجھ آنے لگی کہ وہ صرف ایک کرش تھا، ایک بت۔۔۔ جو اس کی دوستوں نے تراشا تھا اور وہ بھی ان میں شامل ہوتی اسے پوجنے لگی تھی۔ وہ صرف شکل پر جانے والی لڑکی نہیں تھی اور اس نے وقت پر درست فیصلہ کیا تھا۔ اپنے کرش کو خود کرش کیا تھا۔

گال پر دایاں ہاتھ رکھے وہ لوکاٹ کے درخت کو دیکھنے لگی۔ آزان کے دل میں اس کا خیال آیا کیسے؟ کیا یہ رشتہ اس کی ماں جوڑ رہی ہے؟ اسے کوئی اعتراض ہوگا؟

وہ انہی سوچوں میں غلطاں ابا میاں کے قدموں کی چاپ کو پہچان ہی نہ سکی۔

ابا میاں نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تھا۔ وانیہ نے چونک کر نظریں اٹھائی تھی اور ابا میاں کو دیکھتے ہی اٹھنے لگی۔

"بیٹھی رہو۔" ابا میاں اسے کندھوں سے تھامتے واپس بٹھانے لگے اور خود اس کے بستر پر بیٹھ گئے۔

"کنگن خوبصورت ہیں۔" ابا میاں نے آہستہ سے کہا تھا۔

وانیہ نے ایک بار پھر کلائی میں پہنے خوبصورت کنگنوں کو دیکھا تھا جو آج ہی غزالہ اسے پہنا کر گئی تھی۔

"میں تمہاری ماں کو کبھی ایسے کنگن بنا کر نہیں دے سکا۔ میری ماں کا جو تھوڑا بہت سونا تھا وہی اسے حق مہر میں ملا۔ ورنہ تب میری اتنی حیثیت نہیں تھی، شاید میری شادی بھی نہ ہو پاتی۔ تمہاری ماں خوش قسمت ہے۔ ان کے ساتھ نکاح ہوتے ہی میری سرکاری کالج میں جاب لگ گئی۔ جب یہ گھر لینے کا وقت آیا تو اس نے خود اپنی رضا سے وہ تین تولے سونا مجھے دیا تھا۔ میں لینا نہیں چاہتا تھا پر وہ کہتی تھی کہ اس کے بدلے اپنا گھر مل جائے گا کوئی برا سودا نہیں ہے۔ تب میں نے یہ گھر تمہاری ماں کے نام خریدا تھا۔ ساری زندگی شرافت سے گزاری کہ کہیں غصے میں تمہاری ماں میرا ہاتھ پکڑ کر گھر سے ہی نہ نکال دے۔" ابا میاں کے شرارتی لہجے پر وانیہ ہنس دی تھی۔

"اچھی سی شاپنگ کرنا اپنے نکاح کی۔ جو پسند آئے لینا۔ پیسوں کی فکر مت کرنا خرچ ہونگے تو اور پیسے آئے گے۔ ہمیشہ خوش رہنا۔"

وانیہ گیلی آنکھوں سے ابا میاں کو دیکھنے لگی۔ اس کا گلہ بھرانے لگا۔ وہ شکریہ کہنا چاہتی تھی مگر زبان بھاری ہونے لگی۔

ابا میاں ہونٹ باہم پیوست کیے خود پر قابو پانے لگے۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔

"وجیہہ کے جانے کے بعد بڑی مشکلوں سے گھر اس سوگ سے نکلا تھا۔ وہ نہیں ہے پھر بھی یہی کہی ہے۔ ہمارے دلوں میں ہے۔ خوش ہے۔ مطمئن ہوگی وہ۔ اللہ کا شکر ہے اس گھر میں بھی خوشیاں آئی ہیں۔"

وانیہ کے گال پر آنسو ٹوٹ کر گرا تھا۔ وجیہہ کب کسی کو بھولی تھی۔ وہ تو ہمیشہ سے یہی تھی وانیہ کے آس پاس۔ اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھے وجیہہ کی مسکراتی تصویر کو دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سفید ستونوں والے قصر میں آزان کے نکاح کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ رمضان کی دوسری تاریخ کو ان دونوں کا نکاح تھا۔ قصر میں گہما گہمی تھی۔ غزالہ ساری تیاری خود کرنا چاہتی تھی مگر آزان کا اصرار تھا کہ اس کی دلہن کی تیاری اسی کے پیسوں سے کی جائے۔

قصر کے کشادہ لان کو سجایا جا رہا تھا۔ غزالہ نے خاندان کی خواتین اور دوستوں کو ڈھولکی پر بلایا تھا۔ گھر زرد سورج مکھی کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔

نور زرد غرارا پہنے پھولوں کا ٹوکرا لیے سبزے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ بیرونی سیڑھیوں کے پاس ایک کونے میں غزالہ اور گونگی آمنے سامنے کھڑی تھی۔ گونگی سادہ لیمن رنگ کا شفعون کا لباس پہنے سر جھکائے کھڑی تھی۔ کانوں میں موتیے کی بالیاں تھیں۔ غزالہ بالوں میں موتیے کا پھول لگائے، ہاتھوں میں گجرے اور بھاری کام والا شرارہ پہنے تیار لگ رہی تھی۔

نور ٹوکرا وہی گھاس پر رکھ کر غرارا دونوں ہاتھوں سے سنبھالتی دادی کی طرف دوڑی تھی۔ دور بختے ڈھولک کی آواز یہاں تک آرہی تھی۔

وہ دادی سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہو گئی تھی۔

"تم سچ سچ بتاؤ میں نہیں ڈانٹو گی تمہیں۔" غزالہ نرم مگر تفتیشی لہجے میں گونگی سے استفسار کر رہی تھی۔

گونگی نے کن اکھیوں سے نور کو دیکھا تھا اور اشاروں کی زبان سے اسے پھر بتانے لگی کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔

"مارتھا بتا رہی تھی کہ اس رات جب ہم آذان کی بات پکی کرنے گئے تھے تو تمہاری شاہ تاج سے بات ہوئی تھی۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تم نے اسے بتایا نہ ہو۔"

انہیں صبح فون پر شاہ تاج سے کئی گئی باتیں نہیں بھول رہی تھی۔ ان کا اکھڑا اکھڑا لہجہ، غزالہ کی چوائس پر سوالات اور مستقبل کے لیے تنبیہ اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ آذان کی ماں تھی اور اس کے لیے

فیصلہ لینا ان کا حق تھا۔ پورا گھر ان کے فیصلے سے خوش تھا پھر شاہ تاج کو کیا حق تھا کہ یوں انہیں کٹہرے میں کھڑا کرتی۔

"دادی میں نے بتایا تھا۔"

غزالہ نے حیرت سے گردن موڑ کر نور کو دیکھا تھا۔

"انہوں نے مجھے فون کیا تھا۔ وہ آپ سب کا پوچھ رہی تھی میں نے بتا دیا۔ کیا غلط کیا؟"

غزالہ نے مسکرا کر نور کو دیکھا تھا جو چاچو کی خوشی میں اس قدر خوش تھی کہ کہنیوں تک مہندی لگوا رکھی تھی۔ بابا سے لڑی ڈالنا سیکھ رہی تھی۔ وہ معصوم تھی اس کی یہ خطا معاف کی جاسکتی تھی۔

"نہیں میری جان۔" غزالہ نے نور کے بالوں کو ہلکا سا چھوا تھا۔

نور نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا تھا اور واپس سبزے کے اس طرف بھاگی تھی جہاں سے ڈھولک اور لڑکیوں کی تیز آوازیں گونج رہی تھی۔

قصر کے اوپر پورشن میں حمدان اپنے کمرے میں واپس آچکا تھا۔ وہ شرٹ کے بٹن بند کرتا خود کو شیشے میں دیکھ رہا تھا۔ ماتھے پر گھنگھریالے سنہرے بال ہیمیز بینڈ لگا کر پیچھے کیے گئے تھے۔

اس کی سنہری آنکھوں میں نفرت تھی۔ آزان اور وانیہ کے لیے۔ دونوں نے اسے دھوکہ دیا تھا۔ اس کی ماں درست کہتی تھی۔

وہی بیوقوف تھا جو آزان کو دوست سمجھتا رہا اور وانیہ کو دل کی دھڑکن۔ آئینے میں وانیہ کی سبز آنکھوں کا عکس نمایاں ہوا تھا تو اس کے ہاتھ تھمے تھے۔ کتنا وقت ہو گیا تھا ان آنکھوں کو دیکھے ہوئے۔

شاید نشہ کم کیا تھا اسے زیادہ کرنا چاہیے۔ وہ سینے کی طرف دو بٹن کھلے چھوڑتا کمرے کی طرف نکل آیا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل سے چابیاں اٹھاتا وہ کمرے سے باہر نکلا تھا۔ یکم دم بہت سارے شور نے اسکا استقبال کیا تھا۔ ملازم ریفریشنٹس کے رُے لیے باہر جا رہے تھے۔ ڈھولک کی تھاپ پر تالیاں پیٹنے کی آوازیں آرہی تھی۔

وہ چکر دار سیڑھیاں پھلانگتا نیچے اترتا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ رہا تھا۔ ہونٹ سفید ہو رہے تھے۔ وہ نشے کا عادی نوجوان لگ رہا تھا۔

بیرونی سیڑھیوں کی طرف آتے ہی ایک نئے جہان نے اس کا استقبال کیا تھا۔ سفید ستونوں کو زرد پھولوں سے لپیٹا ہوا تھا۔ درختوں پر قمقمے لپیٹ دیے گئے تھے۔ زرق برق کپڑوں میں تیار لڑکیاں کبھی ادھر جاتی کوئی ادھر جاتی۔ وہ دانت پیتا سیڑھیاں طے کرنے لگا۔

اپنی بلیک اسپورٹس کار گھر کے پورچ سے باہر نکالے وہ آگے بڑھنے کو تیار تھا کہ سامنے سے آزان کی گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی وجہ سے اس کی آنکھیں چندھیاں گئی تھیں۔

حمدان آنکھیں چھوٹی کیے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے آزان کو دیکھنے لگا جو اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ کتنا خوش تھا وہ، کیسے؟ کیا وہ بھول گیا تھا کہ وہ وانیہ کے لیے کیا محسوس کیا کرتا تھا؟

آزان گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلنے والا تھا کہ حمدان نے زن سے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ غصہ اس کے دماغ کو کنٹرول کرنے لگا تھا۔ اس کی کنپٹی کی رگیں پھول رہی تھیں۔

اس نے گاڑی ایسے روڈ پر ڈال دی تھی جہاں وہ کبھی نہیں گیا تھا۔ اس راستے کا پتا اسے کسی نے دیا تھا جہاں وہ پہلی دفعہ جا رہا تھا۔ جہاں شریف جانا پسند نہیں کرتے۔ وہ کوئی کوٹھا نہیں تھا وہ ماڈرن کوٹھی تھی۔۔۔ وہاں ماڈرن انداز میں لڑکیاں گناہ کو دعوت دیتی تھی۔ اور وہ اکیلا تھا۔۔۔ اسے بہت سارے لوگوں میں جانا تھا۔۔۔ بہت ساری لڑکیوں کے بیچ بیٹھنا تھا اور نئی شے ایکسپیرینس کرنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ اندھیرا روشنی میں بدلنے لگا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی سی ہوا سڑک پر گرے پتوں کو اڑا لے جا رہی تھی۔

جنید رزاق اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہے تھے جب ان کا فون بج اٹھا۔ ان کی آنکھ یک دم کھل گئی تھی۔ ان کی نیند پہلے ہی کم ہو گئی تھی اور اب جب مشکل سے ان کی آنکھ لگی تھی تو فون کی چنگھاڑتی آواز سے ان کے اعصاب جھنجھنا اٹھے تھے۔

انہوں نے گردن موڑ کر اپنے بائیں طرف دیکھا تھا جہاں غزالہ پشت کیے سو رہی تھی۔ وہ کوفت کا شکار ہوتے فون اٹھا چکے تھے پر دوسری طرف سے جو خبر انہوں نے سنی تھی وہ ان کے چودہ طبق روشن کرنے کے لیے کافی تھا۔

تھانے میں جنید ٹانگ پر ٹانگ رکھے سنجیدہ تاثرات کے ساتھ ایس ایچ او کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی آؤ بھگت کی جا رہی تھی۔

"آپ کا شکریہ۔" جنید نے ایک بار پھر ان کا شکریہ ادا کیا تھا۔

"نہیں اس میں شکریہ کی کیا بات۔ آپ بڑے ہیں بس آپ کا سایہ ہم پر سلامت رہے۔" ایس ایچ او دونوں ہاتھ میز پر رکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا، "اصل میں ایسے علاقوں سے شرفاء کے بچے پکڑے جائے تو اسکیٹل بن جاتا ہے۔ اب آپ شوگر مل کے مالک ہیں، ملک کے معروف بزنس مین ہیں اور یہ خبر اخباروں کی زینت بنے کہ معروف بزنس مین کا بھتیجا نجی محفلوں میں قابل اعتراض حالت میں پائے گئے۔ اچھا نہیں لگتا۔"

"ایک بار پھر آپ کا شکریہ۔" جنید نے اکھڑے لہجے میں دوبارہ اس کا شکریہ ادا کیا جیسے کہہ رہے ہو اب بس میں مزید نہیں سننا چاہتا۔

حمدان دو سپاہیوں کے ہمراہ ابتر حالت میں ایس ایچ او کے کمرے میں لایا گیا تھا۔ جنید نے ایک ناپسندیدہ نظر حمدان پر ڈالی تھی۔

گاڑی اسوینتھ اوینیو کی روڈ پر چل رہی تھی۔ تھانے سے یہاں تک کا سفر خاموشی میں گزرا تھا۔

"ادھر ایس ایچ او میری جان پہچان کا نہ ہوتا تو تمہاری شکل پورے میڈیا پر چھائی ہوتی، میرا نام الگ بدنام ہوتا۔" جنید نے اسٹیرنگ گھماتے ہوئے اس خاموشی کو توڑا تھا۔ انہیں حمدان سے شراب کی بو آرہی تھی۔

"کیوں گئے اتنی غلیظ جگہ؟"

"میں بتانے کا پابند نہیں ہوں۔" حمدان بدستور کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ وہ کسی ناراض بچے کی مانند لگ رہا تھا۔ اسکی شرٹ کے دو بٹن ٹوٹے ہوئے تھے، بال الجھے ہوئے تھے۔

"وزیر کے بعد میں تمہارا سرپرست ہوں۔"

"بالکل نہیں۔ میں اپنا سرپرست خود ہوں۔" اس نے دو بدو کہا تھا۔

جنید نے دانت پیستے ہوئے ایک خونخوار نظر ساتھ بیٹھے حمدان پر ڈالی تھی جو چہرہ موڑے بیٹھا ہوا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"تو پھر واپس باہر چلے جاؤ اور وہیں یہ عیاشیاں کرو۔ وہاں ان عیاشیوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔" جنید اپنے غصے پر قابو نہیں رکھ سکے تھے۔

"میری مرضی میں جہاں رہوں۔" حمدان نے جنید کو دیکھتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

جنید صبر کے گھونٹ بھرتے رہے اور باقی کا سفر خاموشی میں طے ہوا تھا۔

قصر میں صبح کا آغاز بہت برا ہوا تھا۔ قصر کے سبزے میں جو ڈھولکی کی سجاوٹ تھی وہ ابھی تک اتاری نہیں تھی۔

جنید اور غزالہ اپنے کمرے میں بیٹھے شاہ تاج کو ویڈیو کال پر صورتحال سے آگاہ کر رہے تھے۔ شاہ تاج دم سادھے سارا واقعہ سن رہی تھی۔ ان کا بیٹا اتنا بگڑ سکتا ہے وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ نشے کرتا تھا اور شاہ تاج جانتی تھی۔ وہ کسی بھی ایریا میں جائے، جتنی لڑکیوں سے دوستی رکھے یا حد سے تجاوز کر جائے انہیں اس بات سے بھی مسئلہ نہیں تھا مگر وہ اس کو سب کے سامنے بے نقاب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ انہیں اپنی عزت بہت پیاری تھی۔ اگر یہ خبر میڈیا پر چل جاتی کہ نوجوان جس میں

سرفہرست رزاق شوگر مل کے بیٹے کا نام ہوتا جو پارٹی میں ممنوعہ نشہ اور قابل اعتراض حالت میں پایا گیا تو ان کی کتنی بدنامی ہو سکتی تھی۔

"بس شاہ تاج اپنے کیسز ختم کرو اور یہاں آ جاؤ یا پھر حمدان کو وہاں بلوا لو۔"

غزالہ اپنے کپڑوں کے دامن سے کھیتے ہوئے خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

"میں بات کرو گی۔" شاہ تاج کی پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔

کال کب کی کٹ چکی تھی پر سب اپنی جگہ حیران پریشان تھے۔ کوئی حمدان سے بدظن ہو چکا تھا تو کوئی ناراض۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

منتہا جمائی لیتے ہوئے کچن کی طرف آئی تھی۔ کچن سے ملحقہ لاؤنج کی کھڑکیوں کے پردے ہٹائے گئے تھے۔ دھوپ پورے آب و تاب سے اندر داخل ہو رہی تھی۔

یشفین بکھرے ہوئے بالوں کو کیچر میں باندھے ابھی تک نائٹ سوٹ میں ملبوس تھی۔

"کافی لوگی؟" یشفین نے کافی میکر سے کافی مگ میں بھرتے ہوئے منتہا کو دیکھا تھا جو پانی کی بوتل منہ سے لگائے کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی تھی۔

منتہا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"وانیہ کی بات طے ہو گئی ہے۔" منتہا نے ہتھیلی کی پشت سے گیلے ہونٹ رگڑے تھے۔

"رمضان کی دوسری تاریخ کو نکاح ہے اس کا۔ بس چار دن ہی رہ گئے ہیں رمضان میں۔ باس سے چھٹی کی بات بھی کرنی ہے۔ سب اچانک ہوا ہے۔ تھینک یو۔" اس نے یشفین سے کافی کاگ تھاما تھا۔ "تم بھی چلنا۔ اچھا ہے زرا فریش ہو جائے گے۔ مجھے تو اس رشتے پر کچھ اعتراضات تھے پر امی کو کون سمجھائے۔ خیر، کپڑے بھی۔۔۔"

"سر ضرار زندگی اور موت کی کشمکش میں ہیں۔" یشفین سلیب سے کمر ٹکائے اتنی سنجیدگی سے بولی تھی کہ منتہا سمجھ ہی نہ سکی۔ وہ کیا بات کر رہی تھی اور یہ کیا بات بچ میں لے آئی ہے؟

"سوری؟"

"سر ضرار پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔"

منتہا کے ہاتھوں سے کافی کاگ گرا تھا۔ کافی کے مگ سے گرم سیال اس کے گھٹنے اور بائیں ہاتھ کو جلاتا فرش پر گرتے ہی کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا۔ اتنے ہی ٹکڑے اس کے دل کے بھی ہوئے تھے۔

منتہا کی آنکھ سے آنسو بہہ نکلا تھا نجانے جلن کی وجہ سے تھا یا اس خبر کی وجہ سے۔ وہ ہاتھ جھٹکتے ہوئے کاؤنٹر سے نیچے اتری تھی۔ نجانے اس کا گھٹنا زیادہ جل رہا تھا یا دل۔

"میں ٹیوب لاتی ہوں۔" یشفین نے اس کا سرخ ہوتا ہاتھ تھاما تھا۔

"کب ہوا یہ سب؟ کس نے کیا ایسے؟ اور کیسے موت کی کشمکش۔۔۔!" منتہا نے یشفین کو بازو سے پکڑ کر روکا تھا۔ وہ آخری جملہ سہی سے ادا بھی نہیں کر پائی تھی۔

یشفین نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا اور منہ سرخ ہو چکا تھا۔ وہ کیوں جو سمجھ رہی تھی وہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ سب غلط دیکھ رہی ہے اس نے اپنا سر جھٹکا تھا۔

"مجھے فجر کے وقت فارض کا فون آیا تھا۔ وہ رات کو شوکر کے باہر نکلے تھے۔ ان کی گاڑی میں گیس بھر دیا گیا تھا۔ بقول ایک ماڈل کے انہیں سر ضرار کا فون آیا تھا اور وہ کچھ لوگوں کے ساتھ وہاں پہنچی تو ضرار فرنٹ سیٹ پر گرے ہوئے تھے، بے جان تھے۔ انہوں نے گاڑی کھولنے کی کوشش کی پر وہ نہیں کھل رہی تھی۔ انہوں نے اپنی طرف سے گاڑی کا شیشہ توڑنے کے آلے سے شیشہ توڑا اور بلڈنگ کی انتظامیہ کو بلایا جنہوں نے گاڑی کا دروازہ کاٹ کر سر ضرار کو نکالا۔ ان کا دم گھونٹ کر کوئی انہیں مارنا چاہتا تھا۔ بقول ڈاکٹرز کے ان کے خون میں آکسیجن کی مقدار بہت کم رہ گئی ہے۔ انہیں بروقت نہیں لایا گیا اور اب۔۔۔" یشفین خاموش ہو گئی تھی۔

"اور اب؟" منتہا کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ وہ کچھ برا نہیں سننا چاہتی تھی۔

اس کی انگلیاں بہت سختی سے یشفین کے بازو میں پیوست تھیں۔

"کوئی معجزہ ہی انہیں ٹھیک کر سکتا ہے۔ ان کی کنڈیشن کریٹیکل ہے۔"

منتہا شل قدموں کے ساتھ کھڑی رہ گئی تھی۔ وہ ہاتھوں اور پیروں کی جلن بھول گئی تھی۔ تکلیف تو یشفین کے الفاظ نے دیا تھا۔ کوئی معجزہ؟ کوئی دعا؟ اس کے پاس ایسا کیا تھا جس کے بدلے وہ اللہ سے ضرار کی زندگی مانگ سکتی؟

"میں ٹیوب لاتی ہوں اور پھر آفس چلتے ہیں۔"

"مجھے اسپتال جانا ہے۔" منتہا نے ہچکی لی تھی۔

اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ اسے کوئی پرواہ نہیں تھی کہ آفس سے چھٹی نہیں لی۔ بھاڑ میں جائے سب۔ وہ جو زندگی کے لیے موت سے لڑ رہا تھا اسے تو وہاں ہونا چاہیے۔

اس کا دل پتے کی طرح لرز رہا تھا جب یشفین کی ساتھ وہ اسپتال میں داخل ہوئی تھی۔ مطلوبہ کمرے کے آگے جم غفیر تھا لوگوں کا۔ پولیس، اس کے پرستار، میڈیا کے ارکان اور کچھ دوست شوہر کے ستارے اسپتال میں ہی تھے۔ ہر کوئی زیر لب دعا پڑھ رہا تھا۔ رات سے ہی یہ ہجوم آئی سی یو کے باہر کھڑا تھا۔

اسی ہجوم کو چیرتے ہوئے اسے ایک بیچ پر سوکھے متورم آنکھوں والی عافیہ نظر آگئی تھی جس کے سوکھے سفید لب بمشکل ہل رہے تھے۔ وہ ماں تھیں اور ماں کی دعا تو اللہ ضرور سنے گا۔ وہ لوگوں میں جگہ بناتے عافیہ کے قریب ہی دوزانوں بیٹھ گئی تھی۔ اس نے آہستہ سے عافیہ کے گھٹنے پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

عافیہ نے نظریں گھما کر کندھے تک آتے بالوں والی لڑکی کو دیکھا تھا جو پہلے نوز پن اور اب نوز رنگ پہنتی تھی۔ جو ضرار کے قید کی ساتھی تھی۔ ان دونوں کی آنکھ سے ایک ساتھ آنسو بہا تھا۔

"پہلے بھی میرے بچے کو مجھ سے دور لے گئے تھے اور میں بس روزانہ اسی بات کا انتظار کرتی کہ اب اچھی خبر آئے گی یا بری۔ آج پھر میں اسی تکلیف سے گزر رہی ہوں۔ میرے بچے نے کیا کیا

ہے؟ کیوں لوگ اسکا پیچھا نہیں چھوڑتے؟ دیکھو مجھے بھی اندر نہیں جانے دے رہے۔" عافیہ نے منتہا کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

"آپ بس دعا کرے۔ ماں کی دعا بچے کے حق میں ضرور قبول ہوتی ہے۔" منتہا نے ناک سے سانس کھینچتے ہوئے ان کے ہاتھ کو ہلکا سا دبایا تھا۔

یشفین کونے میں دیوار سے ٹیک لگائے دونوں کا ایک ساتھ رونا دیکھ رہی تھی۔ وہ غلط ہے اس نے ایک بار پھر اپنی سوچ کو جھٹکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح سے شام اور شام سے رات ہو چکی تھی۔ ضرار کی سانسیں کچے دھاگوں کی طرح اس کے جسم سے جڑی ہوئی تھی۔ کسی بھی وقت دھاگا ٹوٹ سکتا تھا۔

منتہا چہرے کے گرد ڈوپٹہ باندھے ساتھ ہی خالی کمرے میں نماز پڑھ رہی تھی۔ اس کا دل بو جھل اور خالی محسوس ہو رہا تھا۔ دکھ رہا تھا۔ وہ اس کا نہیں تھا تو کیا ہوا وہ سانس تو لے رہا تھا، زندہ اور صحت مند تھا۔ مسکراتا تھا۔

یشفین ابھی آفس سے اسپتال آئی تھی۔ ضرار کی کنڈیشن میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

رات گہری ہوتی گئی جب ڈاکٹرز بھاگتے ہوئے آئی سی یو کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہو رہے تھے۔

ان کے بھگدڑ کی وجہ سے سب اپنی جگہ الرٹ ہو گئے تھے۔ منتہا کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

عافیہ اپنے سیٹ سے اٹھی تھی۔

ضرار کے کو لیگز دیوار سے پشت ہٹا چکے تھے۔

ہر کوئی ششدر تھا کہ ڈاکٹرز بھاگتے ہوئے اندر کیوں داخل ہوئے تھے کیا ضرار کو کچھ ہو گیا تھا یا اسکی کنڈیشن میں بہتری آئی تھی۔

عافیہ خضر کا سہارا لیے بمشکل کھڑے رہنے کی کوشش کر رہی تھی جب ڈاکٹرز سر سے ٹوپی اور چہرے سے ماسک اتارتے ہوئے باہر نکلے تھے۔ ان کے چہرے اس قدر بے تاثر تھے کہ کوئی اخذ نہیں کر پا رہا تھا کہ ہوا کیا ہے؟ ضرار ٹھیک تو ہے؟

راہداری میں ایسی خاموشی تھی کہ سوئی بھی گرتی تو آواز پیدا ہوتی۔ سب کا پسینہ چھوٹ گیا تھا، سینے میں گھبراہٹ تھی۔

"آئی ایم سوری۔" سینئر ڈاکٹر نے چہرہ جھکا لیا تھا۔

"کیا مطلب؟" ایک صحافی آگے بڑھا تھا۔

"ضرار صاحب جانبر نہیں ہو سکے۔"

عافیہ غش کھا کر زمین پر گری تھی۔

میڈیا پرسنز سر پکڑے منہ ادھر ادھر چھپانے لگے۔

کوئی آگے بڑھ کر عافیہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

یشفین شاک کی کیفیت میں گھری منتہا کو دیکھنے لگی جس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھی۔ وہ پلک جھپکنا تک بھول گئی تھی۔

وہ اور ضرار کھڑے تھے۔۔۔ آمنے سامنے۔۔۔ وہ مغرور سے ضرار کو مشورہ دے رہی تھی۔

اس کی بدماغ ضرار سے ٹھن گئی تھی۔ اسے جواب دینا اس کا فرض تھا۔

پھر حالات بدلے اور وہ خود بخود اس کی طرف ملتفت ہوئی تھی۔ وہ اچھا لگنے لگا تھا، دل اب پہلے جیسا رہا ہی نہیں تھا۔ اس کی کوئی وجہ اس کے پاس نہیں تھی۔

ضروری نہیں کہ ہر شے کی لاجک ہو۔۔۔ ہر شے میں لاجک ڈھونڈنی بھی نہیں چاہیے۔

مگر حقیقت یہی تھی کہ اب وہ نہیں رہا تھا، وہ مٹی کا لباس اوڑھ چکا تھا۔۔۔ چلا گیا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔



جباری ہے

(اگلی قسط پڑھنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔۔)

جس کا لنک ہر پیج کے آخر میں دے دیا گیا ہے)